محمود گاوان

از

محمد ظہیر الدین

سلسلہ مطبوعات مکتبہ ابراہیمیہ

(از)

محمد ظہیر الدین صاحب متعلم بی اے سینیر کلیہ جامعہ عثمانیہ

مطبوعہ

مسعود دکن پریس کالی کمان

تعداد (۵۰۰) ۱۳۴۰ف قیمت (۱۲)

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو اپنے مخلص
دوست مولوی محمد جلال الدین صاحب اشک
بی اے ایل ایل بی عثمانیہ کے نام سے معنون کرنیکی
مسرت حاصل کرتا ہوں جن کی پرخلوص محبت اور
بے ریا دوستی کا میرے دل پر بڑا اثر ہے ۔

محمد ظہیر الدین

جناب مولوی ابن حسن صاحب ایم اے پروفیسر تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ کی رائے

میں نے ظہیر الدین صاحب کے مضمون کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ میری رائے میں انہوں نے مستند کتابوں اور قابل وقعت مواد سے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور مضمون کو نہایت خوبی سے ترتیب دیا ہے۔ اگرچہ مواد کی کمی کی وجہ سے مضمون مختصر ہے تاہم دکن کے مشہور اور قابل وقعت وزیر و مدبر محمود گاواں کی نمایاں سیاسی و فوجی خدمات علمی ذوق و قابلیت اور ذاتی اوصاف کا اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

ابن حسن

۲۲ / تیر ۳۸ ف

بیدر جو علاقہ سرکار عالی میں آثار قدیمہ کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے میرا اور میرے آباو اجداد کا وطن مالوف ہے۔ میں اس کے ذرہ ذرہ سے ایک خاص تعلق محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنی طفلی کا ابتدائی حصہ جس کو انسان کی زندگی کا عہد زرین کہا جاتا ہے یہیں بسر کیا۔ اپنی فرصت کے اوقات میں کبھی کبھی میں اس پر لطف زمانہ کو یاد کرتا ہوں اور ایک ناقابل بیان کیفیت سے متاثر ہوتا ہوں۔ مجھے وہ دن اکثر یاد آتے ہیں جب میں اپنے بزرگوں کے ہمراہ محمود گاوان کے عظیم الشان مدرسے کے قریب سے گذرتا تھا اور حیرت کی نظروں سے اس عالیشان اور مرعوب کن عمارت کو دیکھتا تھا۔ آہ وہ دن گذر گئے اور کبھی واپس نہیں آسکتے۔ البتہ ان کی یاد باقی ہے جو مرتے دم تک دل سے نہیں نکل سکیگی۔

جس طرح یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی شخص دن کے وقت جب مطلع صاف ہو کھلے میدان میں جائے اور آفتاب کی روشنی پاوے اور اس کی حرارت محسوس نہ کرے اسی طرح یہ امر بھی محال ہے کہ بیدر میں پیدا ہونے والا محمود گاوان کے نام اور ان کے آثار سے ناواقف رہے۔ ان کے آثار وہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور قدم قدم پر انسان کی توجہ کا دامن اپنی طرف

کھنچتے ہیں۔ "کہ جا اینجا ست" چنانچہ قدرتی طور پر مجھے بھی ان کی ذات سے ایک خاص دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میں تاریخی کتب میں ان کے حالات بڑے شوق سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھا کرتا اور کوشش کرتا تھا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد ہو جائیں ۱۳۴۱ف کا ذکر ہے کہ معتمد صاحب صدر انجمن اساتذہ صوبۂ گلبرگہ کا ایک اعلان اخباروں میں شایع ہوا جس کا مضمون تقریباً حسب ذیل تھا۔

"تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ محمود گاواں کے حالات پر مضامین لکھ کر فلاں تاریخ تک معتمد صاحب صدر انجمن اساتذہ صوبۂ گلبرگہ کے نام روانہ فرمائیں۔ ان مضامین میں جو مضمون بہتر قرار پائیگا انجمن اس کے لکھنے والے کو انعام کا مستحق قرار دیگی۔"

اس اعلان کا میرے دل پر وہی اثر ہوا جو "سمند شوق" پر "تازیانہ" کا ہوتا ہے میں نے تہیہ کر لیا کہ اس مضمون کو ضرور لکھونگا اور ممکن ہو تو انجمن سے انعام حاصل کرونگا۔ چنانچہ میں نے بڑی محنت سے مضمون لکھنا شروع کیا اور اس سلسلہ میں بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کی۔ بڑی محنت اور جگر کاوی کے بعد جب مضمون مکمل ہو گیا تو میں نے اسے ذریعہ رجسٹری معتمد صاحب کے نام روانہ کر دیا۔ لیکن وہاں سے یہ مایوس کن جواب ملا کہ بوجہ چند در چند اس سال انجمن کا سالانہ جلسہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر میں نے اپنا مضمون واپس طلب کر لیا اور کوشش کی کہ یہ کتابی صورت میں شایع ہو جائے۔ دو تین سال کی جد و جہد کے بعد بالآخر "مکتبہ ابراہیمیہ" نے جو علم و فضل کی نشر و اشاعت میں ملک کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے اس کو اپنی طرف سے شایع کرنا قبول کیا۔ چنانچہ اب یہ مضمون وہیں سے کتابی صورت میں شایع ہو رہا ہے۔

اس موقعہ پر میں اپنے دو محترم اور شفیق اساتذہ یعنی مولوی حبیب الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر تاریخ السلام (کلیہ جامعہ عثمانیہ) اور مولوی ابن حسن صاحب ایم اے پروفیسر تاریخ ہند (کلیہ جامعہ عثمانیہ) کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا اور میری ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ اور موخر الذکر نے تقریظ لکھنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی جو اس کتاب کے ساتھ شامل ہے۔ اسی طرح محب صادق مولوی محمد جلال الدین صاحب اشک بی اے ایل ایل بی کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جنہوں نے ادبی نقطۂ نظر سے میری کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کے اسقام دور کرنے میں میری بڑی مدد کی۔

آخر میں میں ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں نہیں کچھ خامیاں یا فرو گذاشتیں نظر آئیں تو براہ کرم مجھے ان سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو دور کیا جاسکے فقط

خاکسار

محمد ظہیر الدین (عثمانیہ)

۲۵ مہر ۱۳۴۹ ف

بازار عیسی میاں (حیدرآباد دکن)

محمود گاواں

مضمون ہذا کے موا خذ کی فہرست

مضمون ہذا کی تحقیق و تفحص میں خاص احتیاط برتی گئی ہے کوئی واقعہ اس میں ایسا درج نہیں کیا گیا ہے جس کا مستند تواریخ میں حوالہ نہ چل سکتا ہو۔ بلکہ اکثر واقعات کے لئے متعدد تواریخ سے مقابلہ کر کے اُن کی صحت و اندازہ لگایا گیا ہے۔

ذیل میں اُن تواریخ کے نام درج کئے جاتے ہیں جو مضمون ہذا کی تدوین کے وقت اس ناچیز کے پیش نظر رہے ہو۔

(۱) تاریخ فرشتہ فارسی حصہ اول مطبوعہ نول کشور پریس

(۲) ماثر برہانی (اصل کتاب فارسی اور ترجمہ انگریزی سے مدد لی گئی)

(۳) منتخب اللباب جلد سوم مولفہ خافی خاں۔

(۴) تحفۃ السلاطین	مولفہ ملا داؤد بیدری
(۵) تاریخ بیدر	مولفہ قادر خاں بیدری
(۶) سیر الہند	مولفہ منشی قادر خاں بیدری
(۷) معرفت الاولیاء	مولفہ منشی قادر خاں بیدری
(۸) مناظر الانشا	مولفہ خواجہ محمود گاواں
(۹) ریاض الانشا	مولفہ خواجہ محمود گاواں
(۱۰) سیرۃ المحمود	مولفہ مولوی عزیز مرزا صاحب سابق معتمد عدالت

دکوتوالی امور عامہ سرکار عالی

(۱۱) محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن } مولفہ۔ ابوتراب محمد عبدالجبار خاں صاحب
حصہ اول۔ } ملکاپوری۔ حیدرآبادی۔

(۱۲) مسٹر رچرڈ ٹمپل کا روزنامچہ حیدرآباد و کشمیر وغیرہ

(۱۳) تاریخ دکن مرتبہ سررشتہ علوم و فنون۔ مولفۂ مولوی سید علی صاحب مرحوم بلگرامی۔ بی۔اے

(۱۴) رپورٹ۔ سررشتہ آثار قدیمہ ہند جلد نمبر ۳

(۱۵) "THE HISTORY OF DECCAN" BY J.D.B. GRIBBLE.

(۱۶) "A GUIDE TO BEDER" BY NAWAB FRAMURZ JANG. BAHADUR.

(۱۷) مخزن الکرامات مترجمہ مولوی محمد کریم الدین صاحب

(۱۸) گلمسیز آف دی نظامس ڈومینینس یعنی تاریخ قلمرو نظام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

تاریخ عالم کا مطالعہ نہایت صاف و صریح طور پر ہمیں بتلاتا ہے کہ دنیا کے بڑے لوگ بالعموم ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں جب کہ ملک میں عام ابتری پھیلی ہوئی ہو۔ بڑے بڑے مدبر سپہ سالار اور شعرا ہمیشہ پر آشوب زمانوں میں منصۂ شہود پر جلوہ فرما ہوتے رہے۔ سکندر اعظم کے زمانہ میں خطۂ یونان عام ابتری کی لعنت میں مبتلا تھا۔ نپولین اعظم کا زمانہ انقلاب فرانس کی خوفناک داستانوں کا زمانہ ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ ایسے زمانہ کے شاعر ہیں۔ جب کہ اسلامی دنیا فتنۂ تاتار کے گرد و غبار سے یکسر تاریک ہو رہی تھی۔ اور ہمارے مرزا غالب

ایسے زمانہ میں اپنی شاعری کا سکہ چلاتے ہیں جب کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہونے کو تھا۔ اسی حقیقت پر سے غالب نے اپنے اس شعر میں پردہ اٹھایا ہے

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب ٭ لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

اہل بینش کے لئے طوفان حوادث ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ اسی طوفان کی ہر موج اُن کے لئے سیلیٔ استاد کا کام کرتی ہے اور اس طرح انہیں ترقی کی طرف قدم اٹھانے کی ترغیب دیتی ہے۔

خواجہ جہاں محمود گاواں جن کے سوانح حیات ہم آئندہ صفحات میں بیان کرنے والے ہیں ان ہی اہل بینش میں سے تھے اور یہ کہنا بالکل صحیح اور واقعات کے بالکل مطابق ہے کہ انہوں نے حوادث کے بہت سے طوفان دیکھے لیکن بجائے اس کے کہ ان طوفانوں سے وہ پست ہمت ہوتے انہوں نے مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا اور بالآخر اپنے لئے ایسی ناموری اور شہرت حاصل کی کہ دنیا میں اُسکی نظیر کم مل سکتی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم خواجہ جہاں کے سوانح حیات کا ایک اجمالی تذکرہ اور اُن کے کارناموں پر ایک آزادانہ تبصرہ کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ولادت ۔ بچپن ۔ تعلیم و تربیت ۔ سیاحت

خواجہ جہاں کا پورا نام خواجہ عماد الدین محمود گاواں ہے لفظ گاواں کے متعلق مختلف قصے مشہور ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چونکہ خواجہ جہاں کی ولادت

قصبہ قاوان میں ہوئی اس لئے اُن کے نام کے ساتھ اس لفظ کا اضافہ کیا گیا اور رفتہ رفتہ کثرتِ استعمال سے قاوان گاوان بن گیا جو اب تک زبانوں پر جاری ہے۔

کسی بڑے شخص کے بچپن کے حالات بالعموم مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ خاص کر مشرقی ممالک میں یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مشرقی مورخ اس طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔ پرانی تواریخ[۱] سے محمود گاوان کے بچپن کے حالات پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ صرف ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذہین اور محنتی طالب علم تھے اور انہوں نے اپنے وطن ہی میں اپنے زمانے کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ اس بات کا پتہ[۲] بھی چلتا ہے کہ کم سنی ہی میں انہوں نے ضروری علوم سے کافی آگاہی حاصل کرلی تھی اور لوگ انہیں عالم و فاضل سمجھتے تھے۔ محمود گاوان کی یہ ابتدائی افتادِ مزاج کچھ ایسی پڑی تھی کہ ان کا شوقِ علمی مرتے دم تک قائم رہا جس کی بے شمار مثالیں آئندہ صفحات میں ملیں گی۔

محمود گاوان ایک مشہور اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی زمانہ میں ان کے اجداد گیلان کے بادشاہوں کے وزیر[۳] تھے اور عزت و شان کے

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ ماثر برہانی [۲] تاریخ فرشتہ۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن مولفہ عبدالجبار خان صاحب ملکاپوری۔

[۳] تاریخ فرشتہ۔ سلسلہ آصفیہ جلد سوم تاریخ دکن۔

ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ گیلان[1] ملک ایران کا ایک صوبہ تھا جس کے صوبہ دار
نے طوائف الملوکی کے زمانہ میں خودمختاری حاصل کر لی تھی اور اب اپنے نام کا سکہ
چلا رہے تھے۔ محمود گاوان کے اجداد میں سے ایک شخص* بہت مشہور گذرا ہے۔ اس نے
اپنی غیرمعمولی قابلیت اور دلیری کی بدولت رشت میں ایک نئے خاندان
شاہی کی بنیاد ڈالی جس کی حکومت طہماسپ صفوی شاہ ایران کے زمانہ تک قائم
رہی اور بالآخر اس مشہور بادشاہ نے اس خاندان کا خاتمہ کیا۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے محمود گاوان کی ولادت قریہ قاوان علاقہ گیلان میں ہوئی
سنہ ولادت ۸۰۸ھ م ۱۴۰۵ء[2] ہے۔ والد کا نام خواجہ محمد تھا۔ ان کے سن تمیز کو پہنچنے
کے زمانے میں ان کے چچا خواجہ شمس الدین امیر محمد والی گیلان کے وزیر تھے۔ بعض تواریخ[3]
سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود گاوان اپنے چچا کا امور سلطنت میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔
اس واقعہ سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ محمود گاوان غیرمعمولی قابلیتوں کے
آدمی تھے۔ اوائل زندگی میں انہوں نے نہ صرف علوم و فنون ہی کی طرف توجہ کی
بلکہ ملک کے انتظامی کاموں میں بھی عملی حصہ[4] لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فارغ البالی کا
یہ دور زیادہ طویل نہیں رہا کیونکہ خواجہ شمس الدین چند سال وزارت کر کے گیلان سے

---

[1] یہ ملک ایران کا علاقہ ہے جو بحر قلزم کے جنوب اور کوہ البرز کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں طبرستان و مازندران اور شمال میں کردستان واقع ہیں۔ چونکہ اس کا اندرونی حصہ دلدلی یعنی گیلا ہے اس لئے اس کو گیلان کہتے ہیں۔ یہ ایک خودمختار ولایت تھی۔ (ماخوذ از اسلامک سائیکلوپیڈیا جلد دوم)

[2] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ دکن۔ سررشتہ علوم و فنون۔ تحفۃ السلاطین۔ ماثر برہانی۔ تاریخ بیدر۔ تاریخ محمود شاہی۔ سیرۃ المحمود۔ محبوب الوطن۔ تذکرۂ سلاطین دکن وغیرہ کتابوں میں اس کا مشہور ہونا بیان کیا ہے لیکن کسی نے اس کا نام نہیں لکھا

[3] ماثر برہانی۔ فرشتہ وغیرہ۔ [4] فرشتہ۔

* اس شخص کا نام معلوم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی گئی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

ہجرت کر گئے۔[1] انہوں نے اپنی سکونت کے لئے ملک حجاز کو منتخب کیا۔[2] اس واقعہ کے بعد اُن کا بیٹا خواجہ محمد اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن بیٹے میں باپ کی سی قابلیتیں نہیں تھیں۔ بہت جلد ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ ادھر حاجی محمد قندہاری نے سپہ سالاری کی عزت حاصل کی اور ادھر شیخ علی نے قلمدان وزارت سنبھالا۔ یہ دونوں اگرچہ محمود گاوان کے خاندان کے ممنون احسان تھے لیکن اب اپنی ذاتی خباثت اور بدنفسی کی وجہ سے اس خاندان کے استیصال کے درپے ہو گئے خواجہ محمد پریشان ہو کر وطن سے ہجرت کر گیا اور اپنے باپ خواجہ شمس الدین کے پاس جو اس وقت مکہ معظمہ میں تھے چلا گیا۔ اب محمود گاوان کو وطن میں رہنا دوبھر ہو گیا انہوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور اس طرح مختلف ممالک کی سیر کا موقع ہاتھ آگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں شاہان عراق و خراسان نے ان کو وزارت کی ترغیب دی لیکن ان کی آزاد طبیعت کو اب کسی قسم کی بندشیں گوارا نہ ہوئیں اور انہوں نے وزارت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس واقعہ سے محمود گاوان کی غیر معمولی قابلیت اور ان کی شہرت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ شمس الدین کے زمانۂ وزارت میں انہوں نے جو انتظامی کام انجام دئے تھے ان کی شہرت اطراف و اکناف میں پہنچ گئی تھی اور شاہان عراق و خراسان کو ان کی انتظامی قابلیت پر پورا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن کو قلمدان وزارت سنبھالنے کی کیوں ترغیب دی جاتی ؟

---

[1] فرشتہ ماثر برہانی۔ [2] فرشتہ تاریخ بیدر۔

محمود گاوان نے تجارت کے تعلق سے کن کن ممالک کی سیاحت کی اور اُن کا
کون سے کون سے ممالک میں گذر ہوا۔ یہ ایک حل طلب معمّا ہے۔ افسوس کہ قدیم
تاریخی کتب اس بارے میں بہت کم معلومات پیش کرتی ہیں۔ محمود گاوان کی
زندگی کا یہ دلچسپ باب بہت کچھ تاریکی میں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے
ایک اولوالعزم تاجر کی طرح اس زمانے کے اکثر مشہور ممالک کی سیر کی ہوگی۔ اس کے
ثبوت میں یہ بات پیش کی جا سکتی ہے کہ محمود گاواں نے تجارت کے ذریعہ سے
بہت جلد وافر دولت جمع کر لی اور رفتہ رفتہ بہت بڑے تاجر بن گئے[1]۔ البتہ
تواریخ سے یہ بات ثابت[2] ہے کہ وہ جس ملک میں جاتے وہاں کے مشاہیر سے
ضرور ملتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اُن سے کسب فیض کرتے بعض لوگوں کا خیال ہے
کہ وہ صرف[3] تجارتی اغراض ہی کے لئے دور دراز ملکوں کی سیاحت نہ کرتے تھے بلکہ
اُن کی ایک پوشیدہ غرض یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ دنیا کے مشاہیر سے ملیں اور اُن سے
ہم کلامی کا شرف حاصل کریں۔

محمود گاوان کی یہ وہ خصوصیت ہے جس سے اُن کے علمی ذوق و شوق کا پتہ چلتا
ہے۔ بالآخر محمود گاوان نے جب اُن کی عمر تینتالیس[4] سال کی تھی تو ہندوستان
کی سیاحت کا ارادہ کیا یہیں سے ان کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے
جس کی اہمیت روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔

ہندوستان اس زمانے میں اپنی دولت مندی کی وجہ سے کتنا ہی مشہور

---

[1] فرشتہ [2] فرشتہ، تحفۃ السلاطین [3] تاریخ محمود شاہی [4] [illegible]

تھا جتنا کہ آج وہ اپنے افلاس کے لیئے ہے۔ محمود گاوان جیسے بڑے تاجر کا تجارتی اغراض سے ہندوستان آنا بالکل قدرتی امر تھا لیکن مشہور ہے کہ اس سیاحت سے محمود گاوان کی اصلی غرض شاہ محب[1] اللہ کرمانی سے ملاقات کرنی تھی جو اس وقت بیدر میں تشریف رکھتے تھے۔ غرض کچھ ہو وہ خلیج فارس کے راستے ۱۴۵۵ء میں بندر دابھول میں داخل ہوئے اور وہاں سے سیدھے بیدر چلے آئے جو اس وقت سلاطین بہمنیہ کا دارالسلطنت تھا۔)

محمود گاوان کی ہندوستان میں آمد

اور

رفتہ رفتہ وزارت عظمیٰ کے درجہ تک ترقی

(جس زمانے میں کہ محمود گاواں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم پہلے پہل رکھے ہیں یہاں کی عام حالت حسب ذیل تھی۔)

عام ابتری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ مرکزی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی۔ طاقتور صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ ذیل کے حالات سے ہوسکتا ہے۔

---

[1] شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کے پوتے تھے جب شاہ نعمت اللہ ولی نے ۸۳۴ھ میں قریہ ماہان علاقہ ایران میں وفات پائی تو ان کے بیٹے شاہ خلیل اللہ اپنے دونوں بیٹوں شاہ حبیب اللہ غازی اور شاہ محب اللہ کو ساتھ لیکر بیدر آئے۔ شاہ حبیب اللہ سلطان احمد شاہ بہمنی کے اور شاہ محب اللہ شہزادہ علاؤالدین بہمنی کے داماد ہوئے۔ شاہ محب اللہ نے بارہا غیر مسلموں سے جہاد کیے تھے اس لیئے احمد شاہ نے انہیں خطاب و لقب سے سرفراز کیا تھا شاہ محب اللہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۸ پر)

دہلی پر لودھیوں کی حکومت تھی لیکن اُن کی سلطنت صرف شمال اور مغربی پنجاب تک محدود تھی۔ جونپور میں سلاطین شرقی آزادی کا پھریرا اُڑا رہے تھے۔ راجپوتانے کے چھوٹے چھوٹے راجہ خودمختاری کے نشے میں چور تھے۔ گجرات میں آلِ مظفر کی فرمانروائی تھی۔ وسطِ ہندوستان میں خاندان فاروقیہ اور مالوہ میں خانوادۂ خلجیہ کا زور تھا۔ دکن سلاطین بہمنیہ کے زیرنگیں تھا۔ بیجانگر کی ہندو ریاست ساحلِ ملابار و کوکن سے لیکر دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ساحل کارمنڈل پر راجایان اڑیسہ کا تسلط تھا جو دکن کی تسخیر کے خواب دیکھ رہے تھے۔ غرض ملکِ ہند بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جن میں ہمیشہ لڑائی فساد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

(خود بہمنی سلطنت کی یہ حالت تھی کہ بیدر جو سلاطین بہمنیہ کا اس زمانہ میں پایۂ تخت تھا۔ اس کے جنوب میں بیجانگر کی طاقتور سلطنت تھی جو ہمیشہ اس تاک میں لگی رہتی تھی کہ جیسے ہی موقع ملے سلطنت بہمنیہ کو ہضم کر جائے۔ مشرق میں راجایان اُڑیسہ تھے اور یہ بھی سلطنت بہمنیہ کا نام و نشان مٹانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ شمال میں سلاطین مالوہ و خاندیس اس کے جانی دشمن تھے۔ مغرب میں سلاطین گجرات بھی اس ریاست پر دندان آز تیز کئے ہوئے تھے۔ یہ تو بیرونی حالات تھے۔ اس کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷ کی) اپنے باپ کے مرنے کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ زہد و تقویٰ اور علمی قابلیت کے لحاظ سے اس زمانے میں بہت مشہور تھے۔ ؎۲ بندر دابھول کا پرانا نام دابل تھا۔ عہد سلطنت بہمنیہ میں یہ دکن کی مشہور اور بارونق بندرگاہ تھی۔ صدہا جہاز یہاں ٹھیرا کرتے۔ اور یہیں سے تجارت کا سامان اور زیارت حرمین شریفین کے لئے مسافرین کو لے جایا کرتے تھے۔ یہ مقام ستارہ کے ٹھیک مغرب میں بمبئی سے تقریباً ۸۰ میل جنوب میں ابھی تک آباد اور واقع ہے۔ ۱۲۔ مؤلف۔

اندرونی حالات بھی کچھ اطمینان بخش نہیں تھے۔ ملکی اور غیر ملکی کا جھگڑا ایک زمانے سے چلا آرہا تھا۔ یہاں اکثر ایسے مسلمان تھے جن کی دو چار نسلیں اس ملک میں گزر چکی تھیں یہ لوگ نو واردوں کو آفاقی یا غیر ملکی کہا کرتے تھے۔ اور جب سلاطین بہمنیہ اپنے ہاں کسی غیر ملکی کو ملازم رکھتے تو یہ بہت ناراض ہوتے۔ اس طرح یہاں ملکیوں اور غیر ملکیوں کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں جن میں ہمیشہ رقابت رہا کرتی تھی۔ اس کی وجہ سے ملک میں آئے دن فتنہ و فساد برپا رہا کرتا تھا۔ اول اول سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانے میں اس رقابت نے زور پکڑا۔ سلطان نے اس کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کیں جن سے کچھ دنوں کے لئے یہ فتنہ فرو ہوا۔ لیکن سلطان علاء الدین کے زمانے میں یہ فساد بڑی قوت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ سلطان نے غیر ملکیوں کی قدر دانی اور عزت افزائی کی تھی جس کی وجہ سے ملکی پارٹی سخت ناراض ہوئی اور رقابت کی آگ جو ایک زمانہ سے دبی ہوئی تھی یکایک بھڑک اٹھی۔

(غرض ایسے پر آشوب زمانے میں محمود گاوان نے سرزمین دکن کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف امتیاز بخشا۔ سلطان علاء الدین بہمنی اس وقت تخت شاہی پر متمکن تھا۔ اس نے محمود گاوان کی بہت قدر کی) یہ بات کہ سلطان کے دربار میں محمود گاوان کی کس طرح رسائی ہوئی اور سلطان کے مزاج میں ان کو کس طرح رسوخ حاصل ہوا تاریکی کے پردے میں پنہاں ہے۔ تاہم قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ اول اول محمود گاوان ایک تاجر کی حیثیت میں دربار شاہی میں داخل ہوئے ہوں گے اور سلطان کی مردم شناس نظروں نے ان کی قابلیت اور لیاقت [illegible] کا اندازہ لگایا ہوگا۔ [illegible] سلطان [illegible]

اُن کے تبحر علمی اور وسیع معلومات سے مطلع ہوا ہوگا تو اُن کا گرویدہ ہوگیا ہوگا۔
پرآشوب زمانوں میں بادشاہوں کو تجربہ کار جہاندیدہ اور پاکیزہ سیرت رکھنے والے
ملازمین کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ تاکہ سلطنت کا نظم ونسق بگڑنے نہ پائے۔
جب یہ سب خصوصیات سلطان نے محمود گاواں میں پائی ہونگی تو ان کو اپنے
دربار میں ملازم رکھنے کا اسے ضرور شوق پیدا ہوا ہوگا۔ غرض کچھ ہو۔ تواریخ سے
اتنا ثابت ہے کہ سلطان محمود گاواں سے بہت مانوس ہوگیا تھا۔ اور اُن
کی دل سے عزت وتکریم کیا کرتا تھا (یہاں تک کہ محمود گاواں نے بادشاہ کی
عنایتوں کو دیکھ کر وطن جانے کا خیال ترک کردیا۔ اور بیدر کو اپنا مسکن بنالیا)
ان واقعات کے چند روز بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے محمود گاواں
کو سلطنت بہمنی کا ایک ذی رسوخ عہدہ دار بنادیا۔ تفصیل اس اجمال کی
یہ ہے کہ جلال خاں نے جس کو سلطان کی ایک ہمشیرہ بیاہی گئی تھی سنہ ۸۶۰ھ
م ۱۴۵۵ء میں علم بغاوت بلند کیا اور تلنگانے کے صوبہ پر قابض ہوگیا۔ یہ ایک
چالاک آدمی تھا۔ اس نے مشہور کردیا کہ دراصل سلطان علاءالدین انتقال کرگیا
ہے۔ اور خود غرض امرا اس واقعہ کو چھپا رہے ہیں۔ اس نے ہوشیاری سے
محمود شاہ خلجی شاہ مالوہ کی امداد حاصل کرلی اور اُس کو اس بات پر آمادہ کرنے
کی کوشش کی کہ شاہ خاندیس کے ساتھ ہوکر بیدر پر حملہ کردے۔ جب یہ تشویشناک
خبریں بیدر پہنچیں تو سلطان علاءالدین نے محمود گاواں کو منصب ہزاری سے

ؔ فرشتہ۔ ماثر برہانی۔ تاریخ دکن مرتبہ سررشتہ علوم وفنون۔

سرفراز کیا اور انہیں ہدایت کی کہ چند خاص خاص امرا کو ساتھ لیکر جلال خاں کے مقابلے کے لئے سنہ ۸۶۰ھ م ۱۴۵۵ء میں[1] روانہ ہوں۔ اس ذمہ داری کی خدمت پر محمود گاوان کا انتخاب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہ کے دل میں ان کی بہت عزت اور توقیر تھی۔ اور وہ اُن کو اہم ذمہ داریوں کا اہل سمجھتا تھا۔ محمود گاوان نے اس فرمان شاہی کے صادر ہوتے ہی فوراً ایک لشکر کے ساتھ جلال خاں کے مقابلے کے لئے تلنگانے کا رخ کیا۔ جلال خاں کا مستقر قلعہ تلگنڈہ تھا۔ انہوں نے فوراً اس کا محاصرہ کر لیا۔ جلال خاں چند روز تک مردانہ وار لڑتا رہا لیکن آخر کار اس کو اسی سال ہار ماننی پڑی۔ چنانچہ اُس نے محمود گاوان سے امان طلب کی اور اظہار اطاعت کے لئے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا سلطان نے اُس کا قصور معاف کیا اور محمود گاوان کی سفارش پر اُسے قلعہ تلگنڈہ از سر نو جاگیر میں دیدیا۔[2]

سلطان علاءالدین محمود گاوان کی مستعدی اور حسن انتظام سے بہت خوش ہوا۔ چنانچہ دو سال کے بعد مرتے وقت اُس نے شہزادہ ہمایون کو جو اس کا جانشین تھا وصیت کی کہ محمود گاوان کا خاص طور پر خیال رکھے۔

سلطان علاءالدین کے انتقال کے بعد ہمایون شاہ ۸۶۲ھ م ۱۴۵۷ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے باپ کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا تخت نشینی

---

[1] تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ جلد سوم میں اس واقعہ کا ۸۵۸ھ میں ہونا بیان کیا ہے لیکن فرشتہ۔ مآثر برہانی۔ تاریخ بیدر۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن میں ۸۶۰ھ م ۱۴۵۵ء میں ہونا بیان کیا ہے۔ [2] تاریخ فرشتہ۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن۔

کے ساتھ ہی اس نے محمود گاوان کو "ملک التجار" کا خطاب دیا اور اُن کو وکیل شاہی اور بیجاپور کی سمت میں اپنا نائب مقرر کیا۔ محمود گاوان کی اس سرفرازی کے کچھ دنوں بعد ۸۶۳ھ میں سکندر خاں نے جو جلال خاں کا بیٹا تھا اور جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد سے نلگنڈہ کے قلعہ پر قابض تھا، بغاوت کی محمود گاوان اُس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک خونریز جنگ میں سکندر خاں مارا گیا۔ اور ایک ہفتے کے محاصرے کے بعد قلعہ نلگنڈہ فتح ہوا۔ اس جنگ میں خواجہ جہاں[1] ترک بھی محمود گاوان کے ساتھ شریک تھا۔ سکندر خاں کی بغاوت سے تلنگانے کے صوبہ میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا تھا۔ جو اس کے مارے جانے کے بعد فرو ہو گیا۔ محمود گاوان نے اس صوبے کا معقول انتظام کیا اور کامیابی کا سہرا انہی کے سر رہا۔

اس جنگ کے کچھ دنوں بعد سلطان ہمایوں شاہ نے بہت تھوڑے عرصے تک حکمرانی کرنے کے بعد ۲۸ ذیقعدہ ۸۶۵ھم ۱۴۶۱ء میں دار فانی سے کوچ کیا اور اُس کا بیٹا نظام شاہ جو اس وقت آٹھ سال کا بچہ تھا تخت نشین ہوا۔ ظاہر ہے کہ نظام شاہ سے کاروبار سلطنت کسی طرح سنبھالے نہیں جا سکتے تھے۔ اس لئے اس کی والدہ مخدومۂ جہاں نے جو بلا کی ذہین اور معاملہ فہم عورت تھی سلطنت کے انتظامات اپنے ہاتھ میں لئے اور اپنے عہد حکومت میں

---

[1] اس کا نام ملک شاہ تھا۔ تاریخ فرشتہ نے اس کو "مغل کا بزرگ زادہ" لکھا ہے۔ لیکن اسکی بابت بعض دیگر تواریخ مثلاً تاریخ بیدر وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ سلاطین چنگیزیہ کے خاندان سے تھا۔ ہمایوں شاہ بہمنی نے اس کو خواجہ جہاں کا خطاب دیکر تلنگانے کا طرفدار مقرر کیا ہمایوں شاہ کے انتقال کے بعد ملکہ مخدومۂ جہاں نے اس کو منصب وکالت اور طرفداری تلنگانہ پر مامور کرکے وزیر اعظم مقرر کیا۔ جب اس سے بدگمانی ہوئی تو محمد شاہ بہمنی دلبقیہ نوٹ صفحہ

ایک کامیاب حکمران ثابت ہوئی۔ اس نے محمود گاواں کو جمعیۃ الملائک وزیر کل کا خطاب دے کر بیجاپور کی سمت میں اپنا نائب مقرر کیا اور خواجہ جہاں ترک کو وکیل شاہی اور تلنگانے کی سمت میں اپنی نیابت سے سرفراز کیا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر صبح ان دونوں کو اپنے دربار میں باریاب کرتی اور ان کے مشورے سے کاروبار سلطنت کو حسن وخوبی انجام دیتی۔ مشہور ہے کہ مخدومہ جہاں کی ایک ملازمہ ماہ بانو نامی تھی۔ جس کے ذریعے وہ اپنے احکام اور فرامین ان دونوں اراکین سلطنت تک پہنچایا کرتی تھی۔

ہم نے سلطنت بہمنیہ کے بیرونی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سلطنت کئی مخالف سلطنتوں سے گھری ہوئی تھی جو ہمیشہ اس تاک میں رہتے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۲) نے اپنے ابتدائی عہد میں ملکہ مخدومہ جہاں کے مشورے سے [illegible] میں اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد یہ خدمت اور خطاب ملک التجار محمود گاواں کے سپرد کیا گیا۔

۲۔ یہ ہمایوں شاہ بہمنی کی عاقلہ بیوی۔ نظام شاہ و محمد شاہ کی والدہ اور مبارک خاں بن فیروز شاہ بہمنی کی بیٹی تھی۔ اس کا اصلی نام نرگس بی بی تھا۔ لیکن سلاطین بہمنیہ کی اصطلاح کے بموجب تاریخ میں ملکہ مخدومہ جہاں کے لقب سے یاد کی جاتی ہے۔ یہ ایک عجیب وغریب قابلیتوں کی عورت تھی۔ اس کے کارنامے ان یورپین مصنفین کا جواب ہیں جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ عورتوں کو غلامی کا خوگر بنا کر ان کے دماغوں کو تباہ کرتے ہیں۔ یہ نہایت بلند حوصلہ تھی بلحاظ سیاست وفراست کے وہ عورات دکن میں اسی طرح سربرآوردہ ہے جس طرح کہ چاند بی بی جرأت و استقلال میں ہے۔ اس کا انتقال [illegible] میں ہوا۔ اس کا مقبرہ بشکل گنبد بہیئت مربع گنبد ہائے سلاطین بہمنیہ کے سلسلے میں واقع (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۴)

تھے کہ اگر موقع ملے تو اُسے ہضم کرجائیں۔ سلطنت بہمنیہ ہی کی کوئی خصوصیت نہیں طوائف الملوکی کے زمانے میں ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے کہ جہاں کوئی سلطنت کمزور ہوئی اور قریب کی سلطنتوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ چنانچہ نظام شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی ۸۶۵ھ م ۱۴۶۱ء میں سلطنت بہمنیہ کو اس مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ نظام شاہ چونکہ بچہ تھا اس لئے قریب کی سلطنتوں کے حکمرانوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ سلطنت بہمنیہ کمزور ہو گئی ہے۔ کیونکہ نظام شاہ سے کاروبار سلطنت کسی طرح سنبھالے نہ جاسکینگے۔ چنانچہ اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سب سے پہلے اُوڑیسہ کے راجہ نے ۸۶۶ھ م ۱۴۶۲ء میں سلطنت بہمنیہ پر حملہ کر دیا۔ مخدومۂ جہاں کو بڑی تشویش دامنگیر ہوئی۔ تاہم اس نے ہمت سے کام لیا اور محمود گاواں اور خواجہ جہان ترک کے مشورے سے کسی نہ کسی طرح چالیس ہزار فوج جمع کرلی جب فوج کیل کانٹے سے لیس ہو گئی تو اس نے نظام شاہ کو ساتھ لیا اور راجہ کے مقابلے کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ یہاں یہ کہنا بے ضرورت نہ ہوگا کہ

(بقیہ سلسلہ نوٹ صفحہ ۱۳) ہے جس کا ہر ضلع پندرہ گز اور ارتفاع پچیس گز ہے۔ تاریخ بیدر مصنفہ اسداللہ شاہ صاحب میں درج ہے کہ اس کی تیاری میں قریباً چار لاکھ روپے صرف ہوئے تھے (اخبار الاخیار)۔

(صفحہ ۱۴ کی نوٹ) سنہ تاریخ فرشتہ۔ ماثر برہانی۔ تاریخ محمود شاہی تحفۃ السلاطین۔

سنہ ۔ فرشتہ۔ سلسلۂ آصفیہ جلد سوم۔ تاریخ دکن۔ تحفۃ السلاطین۔

محمود گاواں اور خواجہ جہان ترک یہ دونوں بھی اس کے ساتھ تھے۔ اور لڑائی وغیرہ کے انتظامات ان دونوں سے متعلق تھے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد راجہ کو شکست ہوئی اور وہ اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا۔ خواجہ جہان ترک نے اس کا تعاقب کیا۔ راجہ نے تنگ آکر محمود گاوان کے ہاں اپنے قاصد بھیجے اور بڑی مشکلوں سے پانچ لاکھ وتنکہ دے کر ۸۶۶ھ م ۱۴۶۱ء میں صلح کرلی۔[۱]

اس جنگ کے بعد ہی ۸۶۶ھ میں محمود شاہ خلجی والئی مالوہ نے فوج کشی کی اور قندھار تک بڑھا چلا آیا۔ محمود شاہ ایک تجربہ کار اور جنگ آزمودہ سپہ سالار تھا اس نے کیمپ کے اطراف خندقیں کھدوائیں اور فوج کا انتظام بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ نظام شاہ کی فوجوں نے قندھار پر اس کا مقابلہ کیا لیکن سخت شکست نصیب ہوئی اس نامبارک واقعہ کے بعد مخدومۂ جہاں نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ نظام شاہ اور خزانۂ شاہی کو لے کر محمود گاوان اور خواجہ جہان ترک

۱۔ محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن۔ مآثر رحمانی۔

۲۔ اس کا اصلی نام ملک محمود تھا۔ یہ خلجی یعنی غلزئی قوم کا سردار۔ اولوالعزم اور لائق تھا۔ مالوے کے غزنین خاں ابن ہوشنگ شاہ نے ملک محمود سے دشمنی پیدا کرلی۔ آخر ملک محمود نے غزنیں خاں کو زہر دلوا کر مار ڈالا اور خود ۱۹ شوال ۸۳۹ھ م ۱۴۳۶ء کو محمود شاہ خلجی کے لقب سے مالوے کا بادشاہ ہوگیا۔ اس نے بیدر پر دو حملے کئے۔ ۳۴ برس کی حکومت کے بعد ۸۷۳ھ میں فوت ہوا۔ یہ نہایت عادل اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ اسلام کا سچا پیرو اور دلدادہ تھا۔ ۱۲۔ ۳۔ ابان سرکار عالی کے ضلع ناندیڑ میں تعلقہ ہے اور مشہور مقام ہے۔ ۱۲

کی معیت میں فیروز آباد[1] چلی جائے۔ چنانچہ اس کے چلے جانے کے بعد محمود شاہ بڑے تزک و احتشام سے ۱۷ دن کے محاصرے کے بعد ۸۶۶ھ م ۱۴۶۱ء میں بیدر میں داخل ہوا۔

محمود گاوان نے اس موقع پر بڑے تدبر کا اظہار کیا۔ انہوں نے مخدومۂ جہاں کی اجازت حاصل کر کے نظام شاہ کی طرف سے محمود شاہ[2] والیٔ گجرات سے مدد کی درخواست کی۔ محمود شاہ نے اس درخواست پر پوری توجہ کی اور بہ نفس نفیس اسی ہزار کی فوج کے ساتھ مخدومۂ جہاں کی امداد کو چلا آیا۔

ادھر مخدومۂ جہاں نے بھی تھوڑی بہت فوج جمع کر لی تھی۔ اور اس کا سپہ سالار محمود گاوان کو مقرر کیا تھا۔ اس کو جب محمود شاہ والیٔ گجرات کے آنے کی خبر ملی تو اس نے فوراً محمود گاوان کو حکم دیا کہ اپنی فوج کے ساتھ محمود شاہ کا استقبال کرنے جائے۔ خواجہ جہاں ترک بھی اس فوج کے ساتھ تھا۔ جب

---

[1] فیروز آباد کو فیروز شاہ بہمنی نے گلبرگہ کے جنوب میں بھیما ندی کے کنارے آباد کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں گلبرگہ میں آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ زمین اور مکان کی قیمت اس درجہ کو پہنچی تھی کہ ایک گز زمین ایک ہون (سکہ وقت) کو بمشکل آتی تھی۔ بیرون شہر صدہا محلے آباد ہو گئے تھے۔ کثرت آبادی سے شہر کی آب و ہوا درست نہیں رہتی تھی۔ چونکہ فیروز شاہ کو مکانات دلکش و محلات فرح بخش کے بنانے کا زیادہ شوق تھا۔ اس لئے اس نے اس کو منتخب کر فیروز آباد نام رکھا اور دار الخلافہ بنایا۔ اس میں عمدہ اور پاکیزہ بازار بنوائے اور ان کو بہترین دکانوں سے آراستہ کروایا اور سڑکیں کشادہ نکالی گئیں۔ اور ایک نیا قلعہ بھی تعمیر کرایا۔ اور اس میں متعدد عالیشان محل تیار کرائے لیکن اب ان کے صرف کھنڈر موجود ہیں۔ [2] یہ اپنے باپ قطب الدین شاہ گجراتی کے ۸۶۳ھ م ۱۴۵۸ء میں مرنے کے بعد بادشاہ ہوا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۴ برس کی تھی۔ نظام شاہ بہمنی کی مدد کے لئے ۸۶۶ھ میں جب یہ بیدر آیا تھا تو اس وقت اس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ نہایت اولو العزم پکا سلطان اور (بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

محمود شاہ خلجی کو خبر ملی کہ والئی گجرات اسی ہزار فوج لیے ہوئے مخدومۂ جہاں کی
امداد کو آرہا ہے۔ اور محمود گاوان نے بھی ایک کثیر فوج جمع کر لی ہے تو اس نے
مقابلہ کے خیال کو ترک کیا اور اپنے ملک کی طرف واپس چلا۔ محمود گاوان نے
موقع کو غنیمت خیال کیا اور مالوے کی فوج کا تعاقب شروع کیا۔ اس بھاگڑ میں
محمود شاہ والئی مالوہ کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور جو بچے اُن میں سے بھی بہت
سارے راستہ کی سختیوں اور پانی کی کمیابی سے ہلاک ہوئے۔ البتہ محمود شاہ خلجی
کسی نہ کسی طرح سنہ ۸۶۶ھ م سنہ ۱۴۶۱ء میں جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد محمود گاوان نے نظام شاہ کی طرف سے محمود شاہ
والئی گجرات کی خدمت میں گرانبہا تحائف روانہ کئے اور ایک خط بھی لکھا
جس میں مناسب طور سے نظام شاہ کی احسانمندی کا اظہار کیا گیا تھا۔

محمود شاہ والئی مالوہ اپنی ناکامی سے بہت رنجیدہ ہوا اور اس نے
اپنے ملک میں پہنچتے ہی از سر نو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں بہت جلد اس کے
جھنڈے کے نیچے نوے ہزار سوار جمع ہو گئے اور وہ اُن کو لے کر بڑے اہتمام
سے سنہ ۸۶۷ھ م سنہ ۱۴۶۳ء میں پھر ایک دفعہ سلطنت بہمنیہ پر حملہ آور ہوا۔ محمود گاوان
نے اپنی قدیم حکمت عملی پر عمل کیا اور والئی گجرات سے مدد طلب کی۔ والئی گجرات
نے پھر ایک دفعہ اپنی جرار فوج کے ہمراہ دکن کا رخ کیا۔ اور والئی مالوہ کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶) لائق بادشاہ تھا۔ اس کا انتقال سنہ ۱۵۱۰ء میں ہوا۔

[۳] فرشتہ۔ مآثر برہانی۔ محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن۔ سلسلہ آصفیہ جلد سوم تاریخ دکن۔ تاریخ محمود شاہی۔

اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی۔ وہ خاموشی کے ساتھ گونڈواڑہ کی راہ سے بغیر لڑے بھڑے اپنے ملک کی طرف چل دیا۔

غرض محمود گاوان کی حکمت عملی نے سلطنت بہمنیہ کو دو مرتبہ عظیم خطرہ سے بچا لیا۔ والئی مالوہ کی ان پیہم ناکامیوں کے بعد پھر کسی سلطنت کو سلطنت بہمنیہ پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور اب مخدومۂ جہاں کو اطمینان نصیب ہوا۔ اس نے حسب معمول کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے اور نہایت قابلیت سے ملک کے انتظامات میں مشغول ہوئی۔ چند روز کے بعد اس نے نظام شاہ کی شادی کا بندوبست کیا اور اس کے لئے بہت دھوم دھام سے تیاریاں شروع کر دیں جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو نظام شاہ کا بہت تزک و احتشام سے ۱۳ر ذیقعدہ ۸۶۶ھ م ۲۹ر جولائی ۱۴۶۲ء عقد ہوا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عقد کی رات کو یکایک نظام شاہ کے انتقال کی خبر اڑی۔ جو صحیح ثابت ہوئی۔[1] قدیم تواریخ[2] اس بارے میں بالکل ساکت ہیں کہ نظام شاہ کے اس طرح یکایک انتقال کر جانے کے کیا اسباب ہوئے۔ بہت کچھ چھان بین کے بعد بھی اس حیرت انگیز اور افسوس ناک واقعہ کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوا۔ ممکن ہے کہ نظام شاہ کو کوئی قلبی مرض ہو جس کا علم کسی دوسرے کو نہ ہو سکا ہو۔ اور عقد کی رات کو اس کے دل کی حرکت یکایک بند ہوگئی ہو۔ بہرحال کچھ ہو یہ واقعہ تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔

۱؎ تاریخ فرشتہ۔ تحفۃ السلاطین۔ تاریخ محمود شاہی۔ ۲؎ مآثر برہانی۔ تاریخ بیدر۔ تاریخ فرشتہ۔

کہ نظام شاہ کا اسی رات انتقال ہو گیا جس رات کہ اس کا عقد ہوا تھا۔ چونکہ تاریخی کتب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس اہم واقعہ کے متعلق کسی پر شبہ کیا گیا یا کسی کو سزا دی گئی لہذا قیاس یہی چاہتا ہے کہ اس کو اتفاقی حادثہ کہا جائے۔

نظام شاہ کے انتقال کے بعد اس کا حقیقی بھائی محمد شاہ بہمنی نو سال کی عمر میں (۸۶۷ھ) تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی سے ملک کے نظم و نسق میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ کاروبار سلطنت اب بھی مخدومۂ جہاں کے ہاتھ میں تھے جو کہ اپنے دو معتمدین یعنی محمود گاوان اور خواجہ جہان ترک کی مدد سے سارے انتظامات کرتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ خواجہ جہان ترک زیادہ طاقتور ہو گیا۔ اس نے محمود گاوان کو اپنی راہ میں حائل خیال کیا اور وہ اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ کسی نہ کسی طرح دربار میں ان کی آمد و رفت موقوف کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے یہ تدبیر اختیار رکھی کہ ان کو اکثر سرحدی تنازعات کے تصفیے کے لئے باہر بھیجدیا کرتا۔ اور ہر ممکنہ کوشش کرتا کہ ان کے کام میں رکاوٹ پیش آئے۔ مخدومۂ جہاں بڑی معاملہ فہم عورت تھی۔ اس نے خواجہ جہاں ترک کے تیور سے اندازہ لگایا کہ اس کا وجود سلطنت کے لئے خطرناک ہو گا۔ چنانچہ اس نے چپکے ہی چپکے اس کے استیصال کی کوشش کی۔ اس نے اپنے بیٹے محمد شاہ کو صلاح دی کہ خواجہ جہان ترک کو قتل کرا دے۔ محمد شاہ نے اس کی صلاح قبول کی اور ایک روز جب وہ شاہی محل میں داخل ہوا تو نظام الملک[1] کو اشارہ کیا کہ وہ اس کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ نظام الملک نے

---

[1] یہ ایک قابل اور بہادر جوان تھا۔ ہمایون شاہ بہمنی نے اس کو خطاب نظام الملک سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰)

سنہ ۸۵۸ھ / ۱۴۵۴ء میں اس کو قتل کر دیا۔

خواجہ جہاں ترک کے قتل کے بعد اب ملک میں محمود گاواں کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو سلطنت کے کاروبار کو سنبھال سکے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد محمد شاہ نے ان کو خلعت خاص عنایت کی اور اس کے علاوہ خواجہ جہاں کے خطاب اور امیر الامرائی کے منصب سے سرفراز کیا۔ امور شاہی کی وکالت بھی انہیں کے تفویض ہوئی۔ اب ارکین سلطنت میں محمود گاواں کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہو گیا۔ ان کو شاہی فرامین میں اس طرح مخاطب کیا جانے لگا۔

"مخدوم جہاں معتمد درگاہ سلطان آصف جم نشان نائب مخدوم خواجہ جہاں"

چند سال تک مخدومۂ جہاں نے کارہائے سلطنت اپنے ہاتھ میں رکھے جب محمد شاہ سن رشد کو پہنچ گیا۔ تو اس نے اس کی دھوم دھام سے شادی کر دی۔ اور کاروبار سلطنت اس کے تفویض کر کے آپ گوشہ گیر ہو گئی۔ اس نے اپنی عمر کے آخری دن عبادت الٰہی میں بسر کئے اور بالآخر چند سال کے بعد ۸۸۰ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔

مخدومۂ جہاں کی گوشہ گیری کے بعد محمود گاواں کو انتہائی عروج حاصل ہوا۔ یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ محمد شاہ کے نام سے انہوں نے پورے ملک پر ایک بادشاہ کی طرح حکمرانی کی۔ ان کے تدبر اور دانشمندی نے سلطنت بہمنیہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹)

دبہتر فراز کر کے ایک ہزاری کا منصبدار کیا تھا اور تلنگانہ کے ممالک سے جاگیریں عطا کی تھیں۔ خواجہ جہاں ترک وزیر قلم و قت اکثر اس کی مخالفت کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے دونوں میں دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۲۰

کے استحکام اور اُس کی شان وشوکت میں بہت اضافہ کیا وہ بڑے حوصلہ مند شخص تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ملک کے اندرونی انتظامات قابل اطمینان حالت میں ہیں تو اب اُن کو نئی فتوحات حاصل کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ایک کثیر التعداد فوج جمع کی اور کوکن کی تسخیر (۸۷۴ھ م ۱۴۶۹ء) کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ اس مہم میں اُن کو کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن انکی حوصلہ مند طبیعت اس پر قانع نہ ہوئی۔ وہ آگے بڑھے اور راستے کی تکالیف اور ہر قسم کی دشواریوں پر غالب آکر انہوں نے قلعہ رامکنہ[۱] اور اس کے بعد مشہور قلعہ کہینہ فتح کیا۔ چند روز کے بعد ۸۷۵ھ م ۱۴۷۰ء میں سنگیسر[۲] بھی فتح ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے گووا[۳] کا رخ کیا۔ جو اس زمانے میں بیجانگر کی سلطنت کا مشہور بندرگاہ تھا۔ یہاں محمود گاواں نے اپنی فوج کو دو حصوں پر منقسم کیا۔ ایک حصہ کے سرلشکر کو ہدایت کی کہ خشکی کی راہ سے قلعہ پر دھاوا کرے اور دوسرے حصے کے سپہ سالار کو سمندر[۴] کی طرف سے قلعے پر حملہ کرنے کے احکام

۱؎ رام کنہ کو برگز نے رحیم گرڈھ لکھا ہے۔ لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کونسا قلعہ تھا۔ ۲؎ سنگیسر سے سنگ میثور (ضلع رتناگیری) مراد ہے۔ جہاں اُس زمانہ میں نہایت مستحکم پہاڑی قلعہ تھا۔
۳؎ تاریخ فرشتہ۔ ماثر برہانی۔ محبوب الوطن۔ تذکرہ سلاطین دکن حصہ اول تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ مولفہ سید علی بلگرامی۔

۴؎ **بحری قوت اور انتظامات**۔ سلطنت بہنیہ کے ماتحت دابھول۔ گووا مچھلی بندر بندرگاہ تھے۔ ان میں بکثرت جہاز رہتے تھے۔ تجارت کا سامان لیکر ایران۔ مصر۔ شام عراق وغیرہ کو جاتے اور وہاں کا مال لیکر واپس آتے تھے۔ جہاز سازی کے کارخانے بھی انہیں بندرگاہوں پر تھے جنگی بیڑہ بھی موجود تھا۔ جہاں ضرورت ہوتی رہا (بقیہ صفحہ ۲۲ پر دیکھو)

دیئے۔ قلعے کی فوج اس دوطرفہ حملے کی تاب نہ لاسکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعہ فوراً سر ہوگیا۔ اب محمود گاواں کی فتوحات اختتام کو پہنچیں انہوں نے مزید فتوحات حاصل کرنے کے مقابلے میں اس امر کو پسند کیا کہ مفتوحہ علاقوں کا معقول انتظام کیا جائے۔ چنانچہ تین سال تک وہ ان انتظامات میں مشغول رہے۔ بعد ازاں (سنہ ۸۷۶ھ مطابق سنہ ۱۴۷۱ء) انہوں نے پایہ تخت کا رخ کیا جہاں اُن کا ایک فاتح کی طرح شاندار استقبال کیا گیا۔

سلطان محمد شاہ نے محمود گاواں کی بہت قدر افزائی کی۔ ایک[1] ماہ تک ان کے ہاں جہاں معہ احد ہر طرح ان کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے اُن کے چہیتے غلام خوش قدم کو کشور خاں کا خطاب عنایت کرکے امراء کلاں کے زمرے میں داخل کیا اور اُس کی جاگیر میں گوا، ہند وہ، گوندال اور کولاپور کا اضافہ کیا۔

محمود گاواں کے انتظامی اصلاحات

محمود گاواں نہ صرف ایک دلیر اور بہادر سپہ سالار ہی تھے بلکہ اُن کی انتظامی

(بسلسلہ بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ خواجہ جہاں نے گووہ کی فتح میں ایک سو بیس جنگی جہازوں سے کام لیا تھا۔ ان کا بیڑہ تمام ہند میں مشہور تھا۔ یہاں سے ہر سال کئی جہاز سہا زایرین کو لیکر مکہ جایا کرتے تھے غرض بحری قوت سلاطین بہمنیہ کی بہت مشہور تھی اور انتظامات بھی عمدہ تھے ۱۲ (ماخوذ از تاریخ فرشتہ)۔

[1] تاریخ فرشتہ مآثر برہانی وغیرہ۔

قابلیت بھی بے مثل تھی۔ انہوں نے سلطنت بہمنیہ کے استحکام کے لئے ایسی حد تا ما نافذ کیں جن سے اُن کے تدبر اور دانشمندی کی شہرت ہمیشہ قائم رہے گی۔

۷۵۹ھ م ۱۳۵۸ء میں جب سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی نے وفات پائی ہے تو اس زمانے میں سلطنت ملک مہاراشٹر۔ اضلاع رائچور۔ مدگل اور کرناٹک اور تلنگانے کے صوبے کے تھوڑے سے حصے پر محدود تھی۔ سلطان محمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گنگو نے تخت نشینی کے بعد سلطنت بہمنیہ کو چار صوبوں میں منقسم کیا اور ہر صوبہ پر ایک طرفدار یعنی نائب مقرر کیا لیکن محمود گاوان کے زمانے تک ملک کا رقبہ بہت بڑھ گیا تھا یہاں تک تلنگانہ۔ کاکن اور اڑیسہ کے اکثر اضلاع سلطنت بہمنیہ میں شامل ہو چکے تھے لیکن باوجود اس وسعت کے ملک کی تقسیم اب بھی وہی تھی جس کو سالہا سال پیشتر محمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گنگو نے رائج کیا تھا۔ اس سے یہ خرابی پیدا ہو رہی تھی کہ طرفدار بہت طاقتور ہوتے جا رہے تھے اور بادشاہ کا ان کو پوری طرح قابو میں رکھنا دشوار نظر آرہا تھا۔ محمود گاوان نے اس صورت حال کو ملک کے لئے خطرناک تصور کیا اور اس کو بجائے چار کے آٹھ صوبوں پر منقسم کیا۔ تقسیم قدیم کے اعتبار سے سلطنت بہمنیہ کے حسب ذیل صوبے تھے۔

(۱) گلبرگہ۔ (۲) دولت آباد۔ (۳) تلنگانہ (۴) برار۔

تقسیم جدید نے ملک کو حسب ذیل صوبوں پر منقسم کیا۔

(۱) بیجاپور جس میں رائچور۔ مدگل اور کئی اضلاع دریائے بھیما تک شامل تھے۔
(۲) حسن آباد جس میں اضلاع گلبرگہ۔ نلدرگ اور شولاپور شامل تھے۔

(۳) دولت آباد۔
(۴) جنیر[1]۔ اس میں کانکن۔ گووا۔ اور بلگاؤں بھی شامل تھے۔
(۵) راجمندری۔ اس میں اضلاع تلنگانہ اور اوڑیسہ شریک تھے۔
(۶) ورنگل۔ (۷) گاویل[2]۔ (۸) ماہور[3]۔

اس تقسیم کے علاوہ محمود گاواں نے ایک اور قابل تعریف کام کیا۔ یعنی ہر صوبے میں سے چند گاؤں شاہی اخراجات کے لیے مخصوص کئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر صوبے سے بادشاہ کو براہ راست تعلق پیدا ہو گیا۔ اور اس طرح سے شاہی نگرانی ہر صوبے پر قائم ہو گئی۔

محمود گاواں کے تدبر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے طرفداروں کو پوری طرح بادشاہ کے قابو میں رکھنے کے لئے ایک اور اصلاح کی۔ اب تک ہر علاقے کا طرفدار اپنے علاقے کے قلعوں پر اپنی مرضی کے مطابق قلعہ دار مقرر کیا کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں سارے قلعہ دار بالکلیہ طرفدار کے اثر میں ہوتے تھے۔ اگر وہ بغاوت کرنے کا ارادہ کرتا تو لازمی طور پر اس کو ان قلعہ داروں سے بڑی مدد ملتی تھی۔ محمود گاواں نے اس صورت حال کو سلطنت کیلئے

---

[1] ۔ تواریخ میں کتابت کی غلطی سے خیبر لکھا گیا ہے۔ دراصل صحیح نام جنیر ہے جو احمد نگر کے مغرب میں دکن کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ [2] یہ برار کا بہت مستحکم قلعہ تھا اب ضلع امراوتی میں ویران پڑا ہے۔ برگز نے اس کے ہندی نام سے قیاس کیا ہے کہ اسے مسلمانوں سے قبل گولی ٹیسیوں نے بنایا ہوگا لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قلعہ کا طرز تعمیر شہادت دیتا ہے کہ اسے مسلمان معماروں نے بنایا ہے۔ [3] جنوبی برار میں بان گنگا کے کنارے کے قریب نہایت مستحکم اور مرکزی مقام تھا جس کا قلعہ ابتک موجود ہے

خطرناک خیال کرکے اس میں حسب ذیل تبدیلی کی۔

انہوں نے صرف ایک قلعہ کو سرِ لشکر کے طرفدار کے ماتحت قرار دیا اور دوسرے قلعوں پر امراء اور منصبداروں کو قلعدار بنانے کا طریقہ رائج کیا۔ اس سے طرفداروں کی قوت بالکل کم ہوگئی۔ اگر کوئی طرفدار بغاوت کا خیال کرتا یا سلطنت کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوتا تو بادشاہ کو اس کی فوراً اطلاع ہوجاتی اور وہ اس کا مناسب سدباب کر سکتا تھا

اس کے علاوہ محمود گاواں نے قلعداروں کو پوری طرح بادشاہ کے اثر میں رکھنے کے لئے یہ خاص کام کیا کہ اُنکو اور اُنکی فوج کو براہ راست خزانہ شاہی سے تنخواہ دلانے کا بندوبست کیا۔ اس سے طرفداروں کی رہی سہی قوت بھی ملیامیٹ ہوگئی اور وہ بادشاہ کے بالکل قابو میں آگئے۔

محمود گاواں کی فوجی اصلاحات

ملکی اصلاحات کے ساتھ ساتھ محمود گاواں نے فوجی اصلاحات کی طرف بھی توجہ کی۔ چونکہ اس زمانے میں سلطنت بہمنیہ کو ہمیشہ مخالف سلطنتوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی فوجی اصلاحات نہایت ضروری اور اہم ثابت ہوئیں۔

سلطان علاء الدین حسن گنگو کے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کمانڈروں کے دو درجے تھے۔ یعنی پانصدی اور ہزاری۔ ان میں سے پانصدی کو سالانہ ایک لاکھ ہون اور ہزاری کو سالانہ دو لاکھ ہون ملتے تھے۔ یہ روپیہ یا تو نقد دیا جاتا تھا یا اس کے معاوضے میں جاگیر عطا کیجاتی تھی۔ سپاہیوں کو تنخواہ

خواجہ محمود گاواں کا مدرسہ بیدر میں
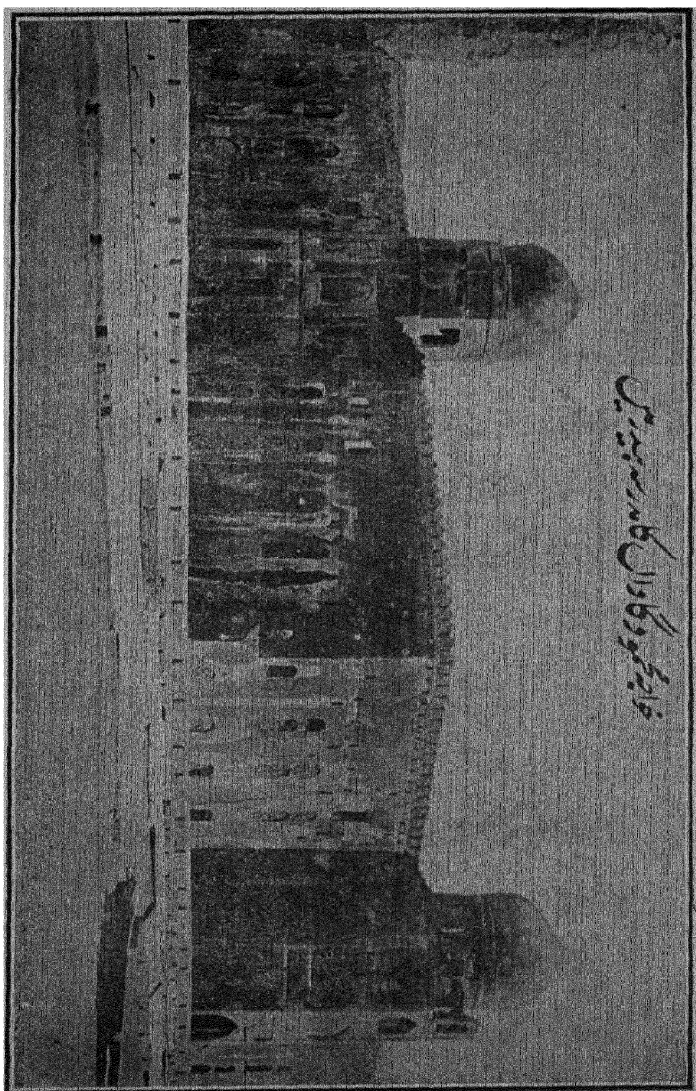
نہیں دی جاتی تھی۔ کمانڈر اپنی مرضی کے مطابق سپاہیوں کو تنخواہ دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ گنتی کا طریقہ بھی رائج نہیں تھا۔ اس صورت حال سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ کمانڈر تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے تھے لیکن سپاہیوں کی تعداد بہت کم رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں چونکہ سپاہیوں کو معقول تنخواہ نہیں ملا کرتی تھی اس لئے وہ بہت بد دل رہتے تھے۔ خواجہ جہاں نے ان نامناسب باتوں کی اصلاح کی۔ انہوں نے پانصدی اور ہزاری کے درجے تو برقرار رکھے لیکن ان کو چند شرائط کا پابند کیا۔ پہلے تو انہوں نے ہر سپاہی کی تنخواہ مقرر کی جس کو ادا کرنا کمانڈروں کا فرض تھا۔ دوسرے گنتی کا طریقہ رائج کیا جس سے فوج کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو سکتا تھا۔ البتہ انہوں نے کمانڈروں کی تنخواہ میں اضافہ کیا۔ اب پانصدی کو ایک لاکھ پچیس ہزار ہن اور ہزاری کو دو لاکھ پچاس ہزار ہن ملنے لگے۔

محمود گاواں کا شہرہ آفاق مدرسہ

محمود گاواں نہ صرف ایک زبردست سپہ سالار اور دور اندیش مدبر ہی تھے بلکہ علمی ذوق و شوق کے لحاظ سے بھی ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔ وہ خود ایک عالم متبحر تھے اور ان کے نزدیک بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہو سکتی تھی کہ علم کی روشنی کو عام کرکے ہر شخص کو اس سے بہرہ ور ہونے کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے پایہ تخت میں ایک عظیم الشان مدرسے کی بنیاد ڈالی جس کے آثار اب تک اپنے بانی کی عظمت و جلالت

اور شوق علمی کو ظاہر کرنے کے لئے موجود ہیں۔

یہ مدرسہ محمود گاوان کا سب سے بڑا کارنامہ خیال کیا جاتا ہے اس لئے کسی قدر تفصیل سے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

[غالباً ۸۷۶ھ مطابق ۱۴۷۲ء میں اس مدرسے کی تعمیر ہوئی عمارت کے استحکام کے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اتنی صدیوں کے گذرنے کے بعد بھی یہ موجود ہے اور اپنی شان و شوکت کو کسی نہ کسی طرح سنبھالے ہوئے ہے اگر ایک حادثہ پیش نہ آجاتا (جس کا ذکر آئندہ سطور میں ملیگا) تو یہ آج بھی دکن کی عظیم الشان اور حیرت انگیز عمارتوں میں لاثانی شمار کیا جاتا۔

مدرسے کی عمارت کا طول شرقاً غرباً ۲۰۰ فٹ اور عرض شمالاً جنوباً ۱۷۰ فٹ ہے اس کی عظمت و شان کا تھوڑا سا اندازہ اس کی بلندی سے ہو سکتا ہے جو ۵۸ فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔ اس عمارت کے سامنے دو بہت اونچے مینار تھے جن میں سے ایک اب تک باقی ہے۔ ان میناروں کی بلندی ۱۹۰ فٹ سمجھنی چاہیئے۔ کیونکہ موجودہ مینار کی بلندی یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے مقابل کا مینار بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ مدرسے کے صحن میں ایک خوشنما مسجد ہے اور اس کے چاروں طرف اس سے ملحق کشادہ کمرے بنے ہوئے ہیں۔ عمارت سہ منزلہ ہے اور کمرے اوپر کی منزل میں بھی اتنے ہی ہیں جتنے کہ نیچے کی منزل میں پائے جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ کمرے طالبعلموں اور عالموں اور فاضلوں کے ٹھیرنے کے کام آتے تھے میناروں اور عمارت کے دوسرے حصوں پر چینی کے حروف میں قرآن شریف کی آیتیں کثرت سے موجود تھیں۔ دستبرد زمانہ سے یہ

تقریباً سب مٹ گئیں البتہ اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں جن سے ان کی خوبصورتی اور پاکیزگی کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔

سر رچرڈ ٹمپل نے اپنے روزنامچے میں جس کو اس نے کشمیر اور حیدر آباد کی سیاحت کے بعد مرتب کیا تھا۔ اس عمارت کے متعلق یوں لکھا ہے "ہندوستان کی قدیم عمارتوں میں جو اس وقت موجود ہیں یہ عمارت بہت ہی عمدہ اور بے مثل ہے" حقیقت یہ ہے کہ یہ عمارت اپنی خوبصورتی اور استحکام کے لحاظ سے فقید المثال ہے۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس کی تعمیر میں کتنا روپیہ صرف ہوا ہوگا۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی عظیم الشان عمارتیں معمولی صرفے میں تیار نہیں ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں اس کی تعمیر کی مدت کا پتہ چل گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے میں پورے دو سال نو مہینے لگے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کئی لاکھ روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا ہوگا جب اس شان کی عمارت عالم وجود میں آئی ہوگی۔

ملا سامعی[۲] نے جو اس زمانے کا مشہور شاعر تھا تاریخ تعمیر کو اس طرح نظم کیا ہے۔

---

[۱] A GUIDE TO BIDAR WITH HISTORICAL NOTES BY NAWAB. HYAMEIY YUNG BAHADUR PAGE

[۲] یہ بڑا زبردست شاعر اور علامۂ وقت گذرا ہے۔ محمود گاواں کا مصاحب اور اس کا مداح تھا۔ اس کے تفصیلی حالات کسی تاریخ میں نہ مل سکے۔ مدرسے کی تاریخ کے علاوہ اس نے خواجہ جہاں کی شہادت کی تاریخ بھی کہی ہے۔ جو دوسری جگہ درج کی گئی ہے۔

ایں مدرسہ رفیع و محمود بنا — تعمیر شدہ است قبلۂ اہل صفا
آثارِ قبول بیں کہ شد تاریخش — از آیت ربنا تقبل منا

تواریخ سے ثابت ہے کہ اس مدرسہ میں جو طالب علم دور دراز کے ملکوں سے آکر فروکش ہوا کرتے تھے انہیں مدارو قاف سے کھانا کپڑا مفت دیا جاتا تھا۔ مدرسے کے اخراجات کے لئے خواجہ جہاں نے کئی گاؤں وقف کر دئے تھے۔ ایسی سیر چشمی اور فیاضی کی مثالیں دنیا میں بار بار نظر نہیں آیا کرتیں۔ اس مدرسے میں ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں مختلف علوم و فنون کے تین ہزار کتابیں تھیں[۲] محمود گاواں کو جس طرح مدرسے کی ظاہری خوبیوں کا خیال تھا اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اُن کی توجہ اس کے معنوی محاسن کی طرف تھی۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کی اجازت حاصل کر کے مولانا جامی جیسے نامی گرامی صوفی اور شاعر کو دعوت دی کہ وہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے بیدر کی سرزمین کو افتخار بخشیں اور مدرسے کے طالب علموں کو اپنے تبحر علمی سے بہرہ ور کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اور فاضلان وقت مثلاً محمد جمال الدین دوانی وغیرہ کو بھی بلا بھیجا[۳]

---

[۱]۔ تاریخ فرشتہ۔ تحفۃ السلاطین۔ اثر برہانی۔

[۲]۔ تاریخ فرشتہ۔ اور اسے گائیڈ ٹو بیدر مولفہ نواب فرامرز جنگ بہادر میں کتابوں کی اتنی ہی تعداد لکھی گئی ہے۔ لیکن حدیقۃ الاقالیم مولفہ مرتضیٰ حسین میں ایک مقام پر محمود گاواں کے مکان سے پچیس ہزار کتب کے برآمد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

[۳]۔ تاریخ بیدر۔ تاریخ دکن۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین۔

تاکہ مدرسے کی شہرت اور اس کی حقیقی عظمت میں چار چاند لگ جائیں۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ مدرسے کے کاروبار صرف مشاہیر کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائیں۔ افسوس کہ محمود گاواں کی یہ دلی تمنا جو اُن کی عالی حوصلگی اور بلند نظری پر دلالت کرتی ہے پوری نہ ہو سکی۔ ملا جامی نے معذرت لکھ بھیجی محمد جلال الدین دوانی نے پیری و ضعیفی کا عذر کیا۔ اور دوسرے فاضلوں نے بھی غالباً راہ کی دقتوں اور سفر کی کلفتوں کا خیال کر کے ان کی استدعا قبول نہ کی۔ اگر محمود گاواں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے تو ظاہر ہے کہ دکن کی عظمت اور اہمیت کیا سے کیا ہو جاتی محمود گاواں کو قدرت نے مردم شناسی کا جوہر عنایت کیا تھا جب ملتانی بہاملتانی نے بیدر آنے سے اپنی معذوری ظاہر کی تو ان کی نظر انتخاب مدرسے کی صدارت کے لیے شیخ ابراہیم صاحب۔ ملتانی پر پڑی جو حسن اتفاق سے اس وقت بیدر ہی میں موجود تھے شیخ موصوف اپنے زمانے کے بڑے جید عالم تھے۔ ان کے تبحر علمی کا معمولی سا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ چند سلاطین بہمنیہ نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کو اپنا فخر خیال کیا تھا۔ یہ ایک مدت سے قاضی القضات کی اہم خدمت کو انجام دے رہے تھے۔ اس کے علاوہ سلاطین بہمنیہ کے اتالیق بھی رہ چکے تھے۔ چنانچہ محمود گاواں نے کوشش کر کے ان کو امام الاساتذہ

مٹ فرشتہ۔ تحفۃ السلاطین۔ تاریخ دکن سلسلہ آصفیہ جلد سوم۔

بنا دیا۔ شیخ ابراہیم صاحب ملتانی کے علاوہ اور بھی مشہور علماء مدرسہ
میں درس دیا کرتے تھے جن کا تفصیلی ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا سخت افسوس
کا مقام ہے کہ مدرسہ کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت کے ایک حصہ کا انہدام
شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں بجلی کے گرنے سے ہوا۔ جس سے اس کی خوبصورتی
میں بین تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جلال الدین خاں
نے جو شہنشاہ عالمگیر کی جانب سے بیدر کے قلعدار تھے اس عمارت کے
چند حجروں میں کچھ بارود رکھوا دی تھی مشیت ایزدی سے رات کے وقت

ملہ آپ نہایت پرہیزگار اور علامہ روزگار تھے اپنے والد شیخ محمد فتح اللہ ملتانی کے انتقال کے
بعد آپ نے ارادہ کیا کہ بادشاہ وقت سلطان علاؤ الدین بہمنی سے ملاقات کریں۔ اگر کچھ معاش مقرر ہو
جائے تو بیدر ہی میں اقامت کریں ورنہ ملتان واپس جائیں۔ آپ نے اس ارادہ کو رشید حریر مقرب بادشاہ
سے بیان کیا اس نے وعدہ کیا۔ جب آپ دوسرے روز اس سے ملنے گئے تو اس کی تعریف میں ایک
رباعی بھی کہہ کر لے گئے اس نے منکر بظاہر تعریف کی لیکن دل میں جلا کہ ایسا فاضل شخص اگر بادشاہ
کا مصاحب بنے گا تو مجھے نقصان پہنچے گا۔ پس لہذا اپنے وعدہ کو ٹالنے لگا۔ آپ نے بھی اس کا
توسل چھوڑ کر ایک کتاب معارف العلوم تصنیف کی اور اس کا نام بادشاہ کے نام پر علائی رکھا
اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں جاکر اس کو بادشاہ کے نذر گزرانا۔ بادشاہ نے اس کو ملاحظہ کرکے
بہت پسند کیا۔ اور آئندہ جمعہ کو ایک خطبہ تصنیف کرکے لانیکی فرمائش کی۔ آپ نے کہا کہ حضور
دعوے فارسی اور جماعت کے لوگ حاضر ہوئے تک نیا خطبہ لکھ دوں۔ بادشاہ نے اجازت
دی اور خطبہ میں اس شعر کا عربی ترجمہ شریک کرنے کی فرمائش کی سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۲ پر ملاحظہ ہو)

مدرسے پر بجلی گری - اور بارود میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے تقریباً نصف عمارت منہدم ہو گئی - اگر بارود وہاں رکھی ہوئی نہ ہوتی تو اتنا زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچتا - یہ افسوسناک واقعہ ۱۱ رمضان ۱۱۰۷ھ م ۱۶۹۶ء کو پیش آیا - بدقسمتی سے اس وقت بہت سارے لوگ مدرسہ کی مسجد میں نماز تراویح پڑھ رہے تھے - چنانچہ یہ سب عمارت کے گرنے سے شہید ہو گئے - مدرسے کے احاطے میں اب تک "گنج شہیداں" موجود ہے - جہاں یہ سب شہداء دفن ہیں -

مدرسے کے علاوہ بیدر کی جامع مسجد بھی جو ایک عالیشان اور مستحکم عمارت ہے محمود گاواں کی تعمیر کی ہوئی ہے - یہ عمارات اپنے حوصلہ مند بانی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب تک بیدر میں موجود ہیں اور آفات زمانہ سے بڑی حد تک محفوظ ہیں -

---

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱) آنکہ پا از سر نخوت ننہادی بر خاک - عاقبت خاک شدہ خلق بر او می گزرند چنانچہ آپ نے اسی وقت اس کا عربی ترجمہ ہما الذی لا یضیع قدمی الرغام و صار رافعاً بہم علیہ الاقدام تحریر کر کے شریک خطبہ کیا - سلطان نے بہت خوش ہو کر آپ کو جاگیر و منصب[illegible] پس معاش سے خاطر جمع ہو کر آپ نے بیدر میں سکونت اختیار کی - ہمایون شاہ بہمنی کے انتقال کے بعد اس کے دونوں فرزند نظام شاہ اور محمد شاہ کو تعلیم دینے کے لئے آپ مقرر کئے گئے اور بیدر کے دارالتعلیم کے صدر بنائے گئے - اس کے بعد محمد شاہ نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض فرمایا آخر ۲ رجادی الثانی ۸۹۶ھ میں آپ نے بیدر میں انتقال کیا - (از مخزن الکرامات) ص ۳۰ تاریخ بیدر مولفہ قادر خان بیدری ص ۱۰۰ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ مسجد محمود گاواں [illegible]

بنا دیا۔ شیخ ابراہیم صاحب ملتانی کے علاوہ اور بھی مشہور علامہ مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے جن کا تفصیلی ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا سخت افسوس کا مقام ہے کہ مدرسہ کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت کے ایک حصہ کا انہدام شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں بجلی کے گرنے سے ہوا۔ جس سے اس کی خوبصورتی میں بین تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جلال الدین خاں نے جو شہنشاہ عالمگیر کی جانب سے بیدر کے قلعہ دار تھے اس عمارت کے چند حجروں میں کچھ بارود رکھوا دی تھی۔ مشیت ایزدی سے رات کے وقت

ملہ آپ نہایت پرہیزگار اور علامہ روزگار تھے اپنے والد شیخ محمد فتح اللہ ملتانی کے انتقال کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ بادشاہ وقت سلطان علاء الدین بہمنی سے ملاقات کریں۔ اگر کچھ معاش مقرر ہو جائے تو بیدر ہی میں اقامت کریں ورنہ ملتان واپس جائیں۔ آپ نے اس ارادہ کو رشید حریر مقرب بادشاہ سے بیان کیا اس نے وعدہ کیا۔ جب آپ دوسرے روز اس سے ملنے گئے تو اس کی تعریف میں ایک رباعی بھی لکھ کر لے گئے اس نے سنکر بظاہر تعریف کی لیکن دل میں جلا کہ ایسا فاضل شخص اگر بادشاہ کا مصاحب بنے گا تو مجھے نقصان پہنچے گا۔ پس بہ ادا ئے وعدہ کو ٹالنے لگا۔ آپ نے بھی اس کا توسل چھوڑ کر ایک کتاب معارف العلوم تصنیف کی اور اس کا نام بادشاہ کے نام پر علائی رکھا اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں جا کر اس کو بادشاہ کے نذر گزرانا۔ بادشاہ نے اس کو ملاحظہ کر کے بہت پسند کیا۔ اور آئندہ جمعہ کو ایک خطبہ تصنیف کر کے لانیکی فرمائش کی۔ آپ نے کہا کہ حضور وضو سے فارغ ہوں اور جماعت کے لوگ حاضر ہوئے تک نیا خطبہ لکھ دوں۔ بادشاہ نے اجازت دی اور خطبہ میں اس شعر کا عربی ترجمہ شریک کرنے کی فرمائش کی سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ ہو)

مدرسے پر بجلی گری۔ اور بارود میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے تقریباً نصف عمارت منہدم ہو گئی۔ اگر بارود وہاں رکھی ہوئی نہ ہوتی تو اتنا زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچتا۔ یہ افسوسناک واقعہ ۱۱ رمضان سنہ ۱۱۰۸ھ م سنہ ۱۶۹۶ء کو پیش آیا۔ بدقسمتی سے اس وقت بہت سارے لوگ مدرسہ کی مسجد میں نماز تراویح پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ یہ سب عمارت کے گرنے سے شہید ہو گئے۔ مدرسے کے احاطے میں اب تک "گنج شہیداں" موجود ہے۔ جہاں یہ سب شہدا دفن ہیں۔

مدرسے کے علاوہ بیدر کی جامع مسجد بھی جو ایک عالیشان اور مستحکم عمارت ہے محمود گاواں کی تعمیر کی ہوئی ہے۔ یہ عمارات اپنے حوصلہ مند بانی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب تک بیدر میں موجود ہیں اور آفات زمانہ سے بڑی حد تک محفوظ ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱) آنکہ پا از سر نخوت دنہادی بر خاک۔ عاقبت خاک شدہ خلق بر دمی گزرند
چنانچہ آپ نے اسی وقت اس کا عربی ترجمہ «الذی لا یضع قدما علی الرغام [illegible] صار رغاماً
یمشی علیہ الاقدام» تحریر کر کے شریک خطبہ کیا۔ سلطان نے بہت خوش ہو کر آپ کو [illegible]
پس معاش سے خاطر جمع ہو کر آپ نے بیدر میں سکونت اختیار کی۔ ہمایوں شاہ بہمنی کے زوال
کے بعد اس کے دونوں فرزند نظام شاہ اور محمد شاہ کو تعلیم دینے کے لئے آپ مقرر کئے گئے اور بیدر کے
دار التعلیم کے صدر بنائے گئے۔ اس کے بعد محمد شاہ نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض فرمایا۔
آخر جمادی الثانی سنہ ۸۸۶ھ میں آپ نے بیدر میں انتقال کیا۔ (از مخزن الکرامات) ص ۳۵ تاریخ بیدر
مولوی قادر خاں بیدری ص ۱۰ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ مسجد محمود گاواں [illegible]

بنا دیا۔ شیخ ابراہیم[1] صاحب ملتانی کے علاوہ اور بھی مشہور علامہ مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے جن کا تفصیلی ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا سخت افسوس کا مقام ہے کہ مدرسہ کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت کے ایک حصہ کا انہدام شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں بجلی کے گرنے سے ہوا جس سے اس کی خوبصورتی میں بین تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جلال الدین خاں نے جو شہنشاہ عالمگیر کی جانب سے بیدر کے قلعہ دار تھے اس عمارت کے چند حجروں میں کچھ بارود رکھوا دی تھی مشیت ایزدی سے رات کے وقت

---

[1] آپ نہایت پرہیزگار اور علامہ روزگار تھے اپنے والد شیخ محمد فتح اللہ ملتانی کے انتقال کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ بادشاہ وقت سلطان علاؤالدین بہمنی سے ملاقات کریں۔ اگر کچھ معاش مقرر ہو جائے تو بیدر ہی میں اقامت کریں ورنہ ملتان واپس جائیں۔ آپ نے اس ارادہ کو رشید حریر مقرب بادشاہ سے بیان کیا اس نے وعدہ کیا۔ جب آپ دوسرے روز اس سے ملنے گئے تو اس کی تعریف میں ایک رباعی بھی کہکر لے گئے۔ اس نے سنکر بظاہر تعریف کی لیکن دل میں جلا کہ ایسا فاضل شخص اگر بادشاہ کا مصاحب بنے گا تو مجھے نقصان پہنچے گا۔ پس وہ اپنے وعدہ کو ٹالنے لگا۔ آپ نے بھی اس کا توسل چھوڑ کر ایک کتاب معارف العلوم تصنیف کی اور اس کا نام بادشاہ کے نام پر علائی رکھا۔ اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں جاکر اس کو بادشاہ کے نذر گزرانا۔ بادشاہ نے اس کو ملاحظہ کرکے بہت پسند کیا۔ اور آئندہ جمعہ کو ایک خطبہ تصنیف کرکے لانیکی فرمائش کی۔ آپ نے کہا کہ حضور دضو سے فارغ ہو اور جماعت کے لوگ حاضر ہوئے تک نیا خطبہ لکھ دوں۔ بادشاہ نے اجازت دی اور خطبہ میں اس شعر کا عربی ترجمہ شریک کرنے کی فرمائش کی سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳ پر ملاحظہ ہو)

مدرسے پر بجلی گری۔ اور بارود میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے تقریباً نصف عمارت منہدم ہو گئی۔ اگر بارود وہاں رکھی ہوئی نہ ہوتی تو اتنا زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچتا۔ یہ افسوسناک واقعہ ۱۱ر رمضان ۱۱۰۷ھ م ۱۶۹۶ء کو پیش آیا۔ بدقسمتی سے اس وقت بہت سارے لوگ مدرسہ کی مسجد میں نماز تراویح پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ یہ سب عمارت کے گرنے سے شہید ہو گئے۔ مدرسے کے احاطے میں اب تک "گنج شہیداں" موجود ہے۔ جہاں یہ سب شہدا دفن ہیں۔

مدرسے کے علاوہ بیدر کی جامع مسجد بھی جو ایک عالیشان اور مستحکم عمارت ہے محمود گاواں کی تعمیر کی ہوئی ہے۔ یہ عمارات اپنے حوصلہ مند بانی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب تک بیدر میں موجود ہیں اور آفات زمانہ سے بڑی حد تک محفوظ ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱) آنکہ پا از سر نخوت ننہادی بر خاک۔ عاقبت خاک شدہ خلق بر او می گزرند چنانچہ آپ نے اسی وقت اس کا عربی ترجمہ "ما الذی لا یضع قدماً علی الارض صار ترابا یمر علیہ الاقدام" تحریر کر کے شریک خطبہ کیا۔ سلطان نے بہت خوش ہو کر آپ کو [illegible] پس معاش سے خاطر جمع ہو کر آپ نے بیدر میں سکونت اختیار کی۔ ہمایوں شاہ بہمنی کے انتقال کے بعد اس کے دونوں فرزند نظام شاہ اور محمد شاہ کو تعلیم دینے کے لئے آپ مقرر کیے گئے اور بیدر کے دار التعلیم کے صدر بنائے گئے۔ اس کے بعد محمد شاہ نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض فرمایا۔ آخر ۲ر جمادی الثانی ۸۶۳ھ میں آپ نے بیدر میں انتقال کیا۔ (از مخزن الکرامات) ص ۳ تاریخ بیدر مولفہ قادر خاں بیدری ص۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ مسجد محمود گاواں [illegible]

محمود گاواں ایک مصنف اور شاعر کی حیثیت میں

مدرسے کے تذکرے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محمود گاواں کے علم وفضل کا بھی مختصر سا بیان کیا جائے تاکہ ان کے جامع الکمالات ہونے کا اچھی طرح اندازہ ہو سکے۔ اگرچہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے بہت بڑے شاعر اور مصنف نہ بن سکے تاہم اس سلسلہ میں اُن کی کوششیں قابل تعریف ہیں اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر زمانہ اُن کو مہلت دیتا تو وہ بھی ملا جامی کی طرح بہت مشہور شاعر اور ادیب بن سکتے تھے۔

نثر میں ان کی دو کتابیں مناظر الانشاء اور ریاض الانشاء اب تک موجود ہیں جن سے ان کے علمی ذوق وشوق کا پتہ چلتا ہے۔

فن انشا مناظر الانشاء سے متعلق ہے۔ اس میں انہوں نے انشاء کے متعلق قابل تعریف معلومات جمع کی ہیں۔ مثلاً فن انشاء کی تعریف اس کی غایت اور لوازمات اس کے محاسن اور نقائص سے عالمانہ انداز میں بحث کی ہے۔ اس کتاب کا نعمق نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد مصنف کی دقتِ نظر اور کمالِ فن کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔

ریاض الانشاء محمود گاواں کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ دراصل ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں، رشتہ داروں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳) مدرسہ اور چوک کے ساتھ تعمیر کرائی تھی لیکن نواب فراز جنگ بہادر مرحوم اول تعلقدار بیدر نے اپنی مولفہ کتاب گلدستہ بیدر میں لکھا ہے کہ یہ مسجد قاسم برید شاہ ثانی نے تعمیر کرائی تھی۔ لیکن یہ بات دیگر تاریخوں سے بھی صحیح نہیں ثابت ہوتی ہے۔

بھتیجوں اور بیٹوں کے نام تحریر کئے تھے کسی بڑے شخص کے خطوط اس کے اندرونی جذبات اور خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں یہی وہ خصوصیت ہے۔ جس سے ریاض الانشار کی قدر وقیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے محمود گاواں کی نیک طینتی شرافت اور دینداری کا نقش دلوں پر اور گہرا ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کا اسٹائیل بھی بہت پاکیزہ اور قابل تعریف ہے۔ جا بجا آیات قرانی احادیث نبوی برجستہ اشعار اور حکیمانہ ضرب الامثال ایسی بیساختگی سے استعمال کی گئی ہیں کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ملا جامی نے ان کی تعریف میں کچھ غلط نہیں کہا ہے۔

فقرہاے نثر او قوت دہ پشت ہنر ❊ نکتہہاے نظم او وزن گر شمع ز کا

نثر کے ساتھ ساتھ محمود گاواں کو نظم سے بھی بڑی دلبستگی تھی۔ چنانچہ ابوالقاسم فرشتہ نے ان کے ایک دیوان کا ذکر کیا ہے۔ جو اس زمانہ میں دکن میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ دیوان آجکل مفقود ہے۔ لیکن تذکرہ حدائق السلاطین اور خود ان کی تصانیف مناظر الانشار اور ریاض الانشار میں ان کے چند اشعار درج ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قابلیتوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ محمود گاواں ایک کہنہ مشق اور زبردست شاعر تھے۔ اور مشاہیر شعرا کے کلام کا تتبع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے دو قصیدے خواجہ کمال الدین اصفہانی اور حکیم انوری کی طرز پر موجود ہیں

ایک عربی قصیدہ بھی پایا جاتا ہے۔ جو بدیع الزماں ہمدانی کی طرز پر ہے۔

اس کے علاوہ محمود گاواں کے اشعار سے ان کے مذاق سلیم کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ان کے کلام میں مبالغہ بہت کم ہے۔ وہ صوفیانہ نکات اور حکیمانہ نصائح سے اپنی شاعری کو زینت دیا کرتے تھے۔ تصنع اور شاعرانہ تکلفات انہیں زیادہ پسند نہیں تھے۔

یہاں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے مذکورۂ بالا خیالات کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

(۱) شستم بہ آب چشمۂ اخلاص مہر دوست ۔۔۔ از لوح جان و صفحۂ دل ہر چہ غیر اوست

(۲) گر می کنی عمارت این دل کہ شد خراب ۔۔۔ انوار مہر بر دل حیران من بتاب

(۳) ہر دعائیکہ شد از بندہ بہ حضرت مرجوع ۔۔۔ مستجاب است یقین چوں بود از فرط خضوع

(۴) در جویبار عقل چو بخت شود بلند ۔۔۔ از تند باد حادثہ کے میرسد گزند

(۵) علم است چوں حیات ابد آب پر نکوش ۔۔۔ وز چشمۂ حیات خود آب حیات نوش

(۶) گر بے نقاب دیدۂ دل دید روئے دوست ۔۔۔ کافر دلست گر نظرش جز بسوئے دوست

محمود گاواں کی شہادت

محمود گاواں کی شاندار فتوحات اور زرین کارناموں کے تذکرے کے بعد ان کی شہادت کے واقعات کو قلمبند کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر چہ یہ ایک ناخوشگوار فرض ہے اور اس موقع پر قلم کا سینہ چاک ہوتا ہے۔ لیکن محمود گاواں

قبر خواجہ محمود گاوان
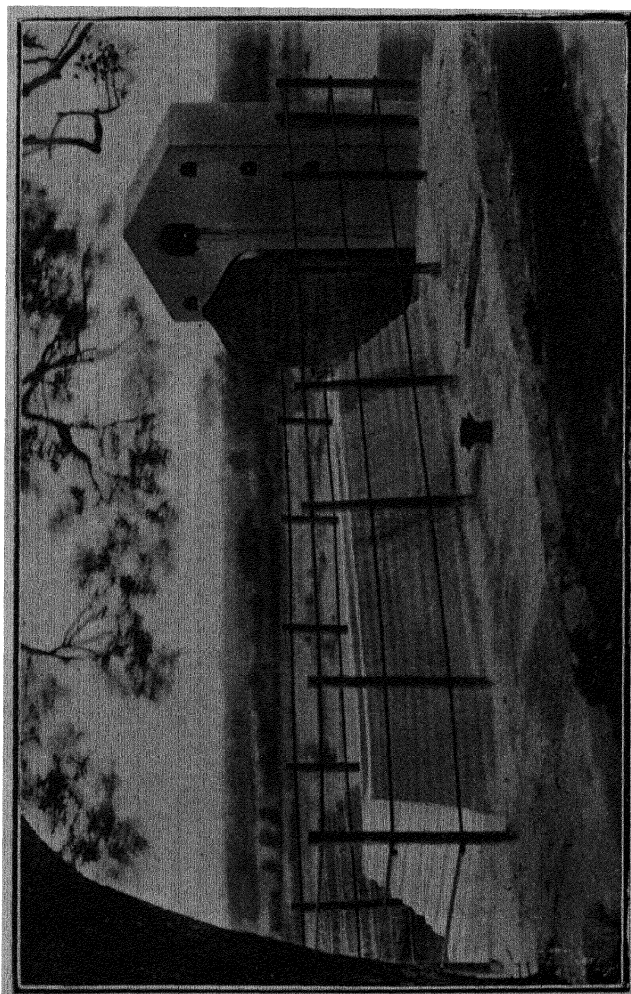
کے سوانح حیات کے متعلق کوئی مضمون بھی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان خونیں واقعات کا تفصیلی ذکر نہ کیا جائے اس کے علاوہ ان واقعات میں حکمت و موعظت کے سینکڑوں سبق پوشیدہ ہیں اور محمود گاواں کی حقیقی عظمت کا احساس بھی انہی واقعات کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے کسی نے سچ کہا ہے کہ انسان کی حقیقی عظمت کا پتہ صرف اس وقت چلتا ہے جب موت اس کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔ یہی وہ نازک گھڑی ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی کمزوریوں کو چھپا نہیں سکتا اور اس کا کھرا کھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مضمون ہذا میں محمود گاواں کی شہادت کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

محمود گاواں کی شہادت کا واقعہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ان تمام اسباب و علل کا پتہ چلانا ضروری ہے۔ جو اس کے وقوع کے باعث ہوئے دنیا کا کوئی عظیم الشان واقعہ ایسا نہیں ہوتا جو مختلف اسباب اور علل کا نتیجہ نہ ہو۔ یعنی ہر ایسے واقعے کی تہ میں بیسوں اثرات کام کرتے ہیں۔ یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے کہ محمود گاواں سلطان کی ناراضگی کے سبب شہید ہوئے لیکن اس بات کا پتہ چلانے کے لئے کہ سلطان کی ناراضگی کی کیا وجوہ تھے اور وہ کن اثرات کا نتیجہ تھی تاریخ کے سینکڑوں اوراق الٹنے پڑتے ہیں۔

شخصی سلطنتوں میں بادشاہ کے علاوہ جب کسی دوسرے شخص کو غیر معمولی اثر و اقتدار اور ہر دلعزیزی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی معرض خطر میں آجاتی ہے۔ اس کے دو بڑے اسباب ہیں ایک تو یہ کہ امراء کا طبقہ ایسے شخص سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اور اس شخص کے اقتدار کو اپنے لئے مضر خیال کرتا ہے

دوسرا یہ کہ بادشاہ بھی اس سے خائف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمام ملک اس کا طرفدار ہو کر اس کو تخت نشین کر دے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ جس شخص نے بادشاہ کو تخت نشین کرایا اور ملک کو مختلف مشکلات سے نجات دلائی وہی آخر میں بادشاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ محمود گاواں کے اثر و اقتدار کا حال اس مضمون کے پڑھنے والوں پر اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہوگا۔ خواجہ جہاں ترک کے استیصال اور ملکہ مخدومہ جہاں کے انتقال کے بعد ملک میں کوئی ایسی شخصیت نہیں رہی تھی جو محمود گاواں کا مقابلہ کر سکے۔ یہ صورت حال ملک کے امراء کو ناگوار ہوئی۔ اور بادشاہ کی نظروں میں بھی محمود گاواں کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔

امراء کی دشمنی کا ایک اور سبب بھی تھا۔ محمود گاواں کی ملکی اور فوجی اصلاحات نے اگرچہ ملک کو بہت فائدہ پہنچایا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان سے امراء کے اقتدار پر ایک کاری ضرب لگی اب تک امراء ایک حد تک خود مختار تھے لیکن ان اصلاحات کے بعد ان کی آزادی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اس بات نے ان کو محمود گاواں کی دشمنی پر آمادہ کیا اور وہ چپکے ہی چپکے اُن کے استیصال کی کوشش کرنے لگے۔

بادشاہ اور امراء کے علاوہ دربار شاہی کے متوسلین بھی محمود گاواں کے عروج کو دیکھ نہیں سکتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ محمود گاواں غیر ملکی یا آفاقی سمجھے جاتے تھے۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ ملکیوں اور غیر ملکیوں میں ایک زمانے سے دشمنی اور عناد چلا آرہا تھا۔ چنانچہ محمود گاواں کا اقتدار ملکی فریق کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا

محمود گاواں کی اقبالمندی کا ستارہ جب عروج کے انتہائی منازل طے کر رہا تھا یہ گوناگوں اور مختلف اسباب یعنی بادشاہ کی مخالفت امراء کا حسد اور بغض اور متوسلین دربار کی دشمنی چپکے ہی چپکے ان کے استیصال کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ایک دور اندیش اور فرزانہ آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے غیر معمولی اقتدار کو دیکھکر اپنی شہادت سے بہت پہلے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہ نکلیگا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب سلطان نے ان کو خواجہ جہاں کا خطاب دیا تو انہوں نے اپنے بعض مخلص دوستوں سے کہا کہ کیا عجب ہے کہ مجھے اس اعزاز کی قیمت کسی دن اپنے خون سے ادا کرنی پڑے[1]۔ اسی سلسلے میں انہوں نے خواجہ مظفر الدین استرآبادی[2] اور خواجہ جہاں ترک کا ذکر کیا۔

ٰ۱۔ تاریخ فرشتہ۔ ماثر برہانی وغیرہ۔

ٰ۲۔ تاریخوں سے ان کے ابتدائی حالات معلوم نہ ہوسکے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان علاؤالدین بہمنی نے ان کو خواجہ جہاں کا خطاب دیکر وزیر کل مقرر کیا تھا۔ یہ خطاب سلطان علاؤالدین ہی کے زمانہ میں مروج ہوا۔ اس سے پہلے کسی بادشاہ کے زمانہ میں نہ تھا۔ یہ خطاب عمر فند وزراء سلطنت کو ملا کرتا تھا۔ اور اس سے بڑھکر کوئی خطاب سلاطین بہمنیہ کے ہاں نہ تھا۔ خواجہ مظفر الدین استرآبادی پہلے آدمی ہیں جنکو یہ ملا۔ خواجہ محمود گاواں تک جتنوں کو یہ خطاب ملا وہ قتل کئے گئے۔ چنانچہ خواجہ مظفر الدین استرآبادی بھی سلطان علاؤالدین بہمنی کے آخر زمانہ میں قتل کئے گئے۔ اسی طرح ملک شاہ کو خواجہ جہاں ترک کا خطاب ملنے کے بعد قتل کیا گیا۔

خواجہ جہاں کے خطاب سے یہ دونوں بھی سرفراز ہوئے تھے اور آخر میں مختلف وجوہ کی بنا پر قتل کیے گئے تھے۔ اگر محمود گاواں حزم و احتیاط سے کام لیتے اور شروع ہی سے اپنی حفاظت کی فکر میں لگے رہتے تو بہت ممکن تھا کہ اُن کی شہادت کا افسوسناک واقعہ پیش نہ آتا۔ لیکن وہ ایک خدا پرست اور نیک آدمی تھے۔ انہوں نے کسی کی جانب سے بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دی۔ علاوہ ازیں وفاداری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ بادشاہ کی مخالفت کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکتے تھے۔ یہی باتیں تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاملہ کو خدا کے حوالے کیا اور رات دن سلطنت کے کاروبار میں منہمک رہے۔ ان کی شہادت کے واقعات تواریخ میں تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ان واقعات کا بے کم و کاست ذکر کیا جائے۔

ملک حسن[1] نظام الملک بحری محمود گاواں کا قدیم دست گرفتہ تھا۔ یہ شخص

---

[1] یہ احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا جد اعلیٰ ہے۔ اصل میں یہ ذات کا براہمن تھا۔ اس کے اجداد پاتری علاقہ برار کے پٹواری تھے۔ مگر قحط سالی کے زمانہ میں اپنا وطن چھوڑ کر بیجانگر چلا گیا تھا۔ وہاں گدائی یا ملازمت پر اپنی گزر اوقات کرتا تھا۔ جب احمد شاہ بہمنی نے بیجانگر پر حملہ کیا تو اس وقت ملک حسن اسیروں میں گرفتار ہو کر آیا۔ اس کا نام تیما بھٹ تھا۔ مگر احمد شاہ نے تیما بھٹ کو جو حسین اور نوعمر تھا اپنے غلاموں میں شامل کر کے اس کا نام حسن رکھا۔ اپنے بیٹے کے ساتھ مکتب میں شریک کیا۔ یہ ہمیشہ شہزادوں کی صحبت میں رہنے لگا۔ محمد شاہ جب چھوٹا تھا تو اسے حسن بن میرلوکے بجائے بہ تغیر لہجہ حسن بحری کہا کرتا تھا اور اپنے زمانے میں محمد شاہ نے اس کو نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ منصب بلند پر رہی۔ تقدّر روا ورا ہی مراتب بھی نظام الملک [illegible]۔ آخر یہ محمود شاہ بہمنی کے زمانہ میں قتل کیا گیا

ملکی اصلاحات سے پیشتر تلنگانے کا صوبہ دار تھا۔ ان اصلاحات کے بعد تلنگانے کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا۔ ایک حصہ جس کا مرکز راجمندری تھا نظام الملک ہی کے تحت رہا۔ البتہ دوسرا حصہ جس کا مرکز جدید انتظامات کی رو سے ورنگل قرار دیا گیا تھا۔ اعظم خاں[1] کے تفویض ہوا۔ یہ بات نظام الملک کو سخت ناگوار ہوئی۔ لیکن وہ مجبوراً خاموش رہا۔ محمود گاواں نے دور اندیشی سے اس کے دل کا حال معلوم کر لیا۔ اور انہوں نے اس کی طاقت توڑنے کے لئے ایک اور کام کیا۔ نظام الملک کا بیٹا ہر طرح لائق تھا۔ ان کو مناسب نہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ایک ہی صوبے میں رہیں۔ لہذا انہوں نے بادشاہ سے کہہ کر اس کو سرحدی کا منصب دلا دیا اور صوبۂ ماہور میں جو اس وقت خداوند خاں[2] حبشی کے تحت تھا اس کی جاگیر مقرر کی۔ نظام الملک کو یہ بات بھی سخت ناگوار ہوئی اور اب اس نے دل میں ٹھان لیا کہ کسی نہ کسی طرح محمود گاواں کو نیچا دکھائے۔ یہ بڑے پایہ کا امیر تھا۔ بادشاہ کی اس کے حال پر نظرِ عنایت تھی۔ چنانچہ اس نے ایک روز موقع پا کر بادشاہ سے کہا کہ "خانہ زاد حضور اقدس و اعلیٰ کے قدوم میمنت لزوم سے جدائی کی طاقت نہیں رکھتا۔ سرحدی انتظامات کو بندہ زادہ بہت کافی ہے۔ اگر اجازت ہو تو خانہ زاد اس کو اپنی طرف سے راجمندری کا سرِ لشکر بنا دے[3]" سلطان نے یہ سن کر محمود گاواں

---

[1] یہ شخص سلطان احمد شاہ بہمنی کا پڑنواسہ تھا اور سکندر خاں بن جلال خاں کا بیٹا تھا۔ محمود گاواں نے ملک کے جدید انتظامات کی رو سے اس کو ورنگل اور تلنگانہ کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔

[2] یہ سرحدی منصب دار کے عہدہ پر فائز ہو کر ماہور کا جاگیردار بنایا گیا تھا۔ اس کے سوا مزید حالات تواریخ میں نہیں ملتے۔

[3] فرشتہ۔ ماثر برہانی۔ تاریخ دکن۔ تحفۃ السلاطین وغیرہ۔

کی مرضی دریافت کی انہوں نے اس موقع پر اختلاف کرنا مناسب خیال کیا چنانچہ نظام الملک کی تمنا بر آئی اور اس کا بیٹا احمدنگر ہی میں رہا۔ یہ تھی رنجش کی ابتدا جو بعد میں چل کر دشمنی اور عداوت میں مبدل ہو گئی۔[۱]

نظام الملک بحری سازشی طبیعت رکھتا تھا۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے ظریف الملک[۲] دکنی اور مفتاح حبشی[۳] سے سازباز کی۔ ان لوگوں نے سلطان کے معتمد علیہ غلاموں کو ہموار کر لیا۔ اب محمود گاواں کی شکائتیں روز آنہ طریقے طریقے سے سلطان کے کانوں تک پہنچائی جانے لگیں۔ سلطان خود محمود گاواں کے غیر معمولی اقتدار سے خائف تھا۔ اس نے بھی ان شکایتوں کو توجہ سے سننا شروع کیا۔ تاہم جب تک محمود گاواں کا بیٹا یوسف عادل خاں[۴] سلطان کے دربار میں حاضر رہا ان سازشوں کا خاطر خواہ

---

[۱] برہان۔ فرشتہ۔ تاریخ بیدر۔ [۲] اور [۳] یہ غلامان شاہی میں شامل تھے۔ بادشاہ کے مقرب ہونے کی وجہ سے ان کی عزت زیادہ تھی۔ نظام الملک بحری نے اُن کو اپنے ساتھ ملا کر محمود گاواں کے خلاف سازش کی تھی۔ [۴] یوسف عادل خاں بیجاپور کے سلاطین عادل شاہیہ کا جد اعلیٰ ہے۔ اس کے حسب و نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا باپ سلطان مراد والی روم جب ۸۵۵ھ میں فوت ہوا تو اسکا بڑا بیٹا سلطان محمد تخت روم کا مالک ہوا۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی یوسف کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ مگر ماں نے اس کے ہم شکل غلام کو خرید کر کے قتل کرا دیا اور اس کو غلاموں کے سوداگروں کے ہمراہ دکن کو روانہ کیا یہاں پہونچکر سوداگر نے محمود گاواں سے یوسف کا سارا حال کہا۔ محمود گاواں نے اس کو شاہی جیلوں میں داخل کر کے میر آخور کی خدمت دی۔ اس کے بعد وہ داروغہ اصطبل بنایا گیا۔

دوسری روایت رفیع الدین شیرازی نے اس طرح بیان کی ہے کہ جب یہ ۸۶۹ھ میں ایرانی تاجروں کے ساتھ دکن میں آیا اور کوکی نام ایک قصبہ میں پہونچا جہاں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ ہو)

نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ لیکن جب سلطان نے اس کو بیجا نگر کی مہم پر روانہ کر دیا تو
دربار میں محمود گاواں کا کوئی خیر خواہ نہ رہا۔ اور سازشیوں کو کھل کھیلنے کا خوب
موقع ملا۔ اب ان لوگوں نے ایک نئی چال چلی۔ حکمت عملی سے محمود گاواں
کے ایک عزیز غلام سے جس کے پاس ان کی خاص مہر رہا کرتی تھی۔ یارانہ پیدا
کیا۔ لالچ بری بلا ہوتی ہے۔ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ بھلا غلام کی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱) یوسف عادل شاہ اور اس کی اولاد کی قبریں ہیں۔ وہاں لنگر۔ خدام۔ حفاظ
بہت دیکھے۔ ان میں ایک حافظ شمس الدین بھری بہت بوڑھا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ ساوہ ملک ایران پر
محمود بیگ حاکم تھا۔ جب وہ لڑائی جھگڑوں میں مارا گیا تو اس کے عیال و اطفال شیراز میں چلے
آئے۔ ان میں اس کا ایک بیٹا یوسف بیگ تھا جو کہیں صورت معاش نہ ہونے سے حیران و پریشان
رہا کرتا تھا۔ آخر خواجہ زین العابدین سمنانی تاجر کے ہمراہ دکن کو آیا۔ یوسف اچھا جوان اور فن کشتی میں
بے مثل تھا۔ اس زمانے میں دہلی سے ایک بڑا پہلوان آیا تھا۔ بادشاہ کے سامنے شہر کے بعض
پہلوانوں سے کشتیاں جیت کر بہت لاف و گزاف مارنے لگا۔ سلطان وقت محمد شاہ بہمنی کو اس کی
شیخی ناگوار گزری۔ اس نے چاہا کہ دکن کا کوئی پہلوان ایسا ہو جو اس کو پچھاڑے۔ یوسف نے
اپنے مربی خاں سالار کی معرفت بادشاہ سے عرض کرایا کہ میں اس سے لڑ سکتا ہوں۔ پس آئندہ
جمعہ کو کشتی مقرر ہوئی۔ یوسف نے اس کو پچھاڑا۔ محمد شاہ نے خوش ہو کر یوسف کو خلعت دی۔
اور کچھ دنوں کے بعد خدمت صدر کوتوالی عطا کی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب یوسف خاں بادشاہی
ملازموں میں شامل ہوا تو اس نے بہت ترقی کی اور عمدہ کارگزاریوں کے صلے میں بادشاہ سے انعام
واکرام اور خطابات حاصل کرتا رہا۔ چنانچہ پانصدی کا منصب اور عادل خاں کا خطاب محمد شاہ سے پایا۔ سلطنت بہمنیہ کے
زوال کے بعد بیجاپور کا خود مختار بادشاہ ہو گیا۔ اس کا انتقال ۵۵ سال کی عمر میں ۹۱۶ھ میں ہوا۔ (تاریخ دکن سلسلۂ آصفیہ
مولفہ سید علی بلگرامی۔

کیا بساط تھی۔ چند جواہرات کی چمک دمک نے اس کی آنکھیوں کو خیرہ کر دیا اور وہ رات دن ان خطرناک سازشیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا۔ ایک روز ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے بڑے اہتمام سے مجلس شرابخواری آراستہ کی اور اس میں محمود گاواں کے مذکورہ بالا غلام کو بھی مدعو کیا۔ دو چار جام پینے کے بعد غلام بدمست ہو گیا۔ اب ان لوگوں نے ایک سادہ کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا اور نہایت چرب زبانی سے کہنے لگے کہ یہ ہمارے ایک عزیز دوست کی برات ہے۔ اکثر دیوانی کے عہدہ داروں نے اس پر دستخط کئے ہیں اگر محمود گاواں کی مہر بھی اس پر ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔ غلام تو مدہوش ہی تھا۔ اس نے دیکھا نہ بھالا محمود گاواں کی مہر اس کاغذ پر لگا دی اس بیچارے کو اس کی کیا خبر تھی کہ وہ برات نہیں ہے بلکہ اس کے آقا کا قتلنامہ ہے۔ شراب خانہ خراب کے ہاتھوں جو کچھ بھی ہو کم ہے۔ اسی لئے تو شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے جب دیکھا کہ چال چل گئی ہے تو بڑے خوش ہوئے۔ اور فوراً نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان تینوں نے مشورہ کر کے اس سادہ کاغذ پر حسب ذیل عبارت راے اڑیسہ کے نام تحریر کی۔

"محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم و ستم سے ہم سب تنگ آ گئے ہیں اگر آپ اس موقع پر حملہ کریں تو فتح یقینی ہے۔ مملکت بہمنیہ میں جو اقتدار مجھے حاصل ہے اس سے آپ بے خبر نہ ہوں گے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ امراء اور سپہ سالاروں کو میں بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہوں سرحد بندی پر کوئی ہوشیار صوبہ دار نہیں ہے آپ بلا کھٹکے حدود سلطنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ سلطان محمد شاہ کو نکال باہر کرنے کے بعد ہم مملکت دکن کو تقسیم کر لیں گے۔"

اس خطرناک کام کو انجام دینے کے بعد یہ تینوں سازشی موقع کے منتظر رہے۔ ایک روز جب کہ نظام الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے مذکورہ بالا خط اس کے ملاحظے میں پیش کیا۔ بادشاہ ایک زمانے سے محمود گاواں سے بدظن تھا۔ اس تحریر کو پڑھ کر حواس باختہ ہو گیا۔
نظام الملک تو موقع کا منتظر ہی تھا اس نے نمک مرچ لگا لگا کر محمود گاواں کی شکائتیں بیان کرنی شروع کیں افسوس کہ اس موقع پر کوئی خیر خواہِ سلطنت موجود نہ تھا جو بادشاہ کو اونچ نیچ دکھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کرتا۔ آخر بادشاہ پر سازشیوں کا جادو چل گیا اور اس نے انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں محمود گاواں کو طلب کیا۔ اس عرصے میں محمود گاواں کے چند مخلص احباب کو حقیقت حال کا علم ہو گیا تھا۔ وہ محمود گاواں کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور ان کو دربار میں نہ جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن محمود گاواں ایک بہادر اور سچے آدمی تھے وہ کسی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے تھے کہ دربار جانے سے خوف کرتے۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر اس موقع پر وہ دربار میں حاضر نہ ہوں گے تو ان کے دشمنوں کو بدگوئی کا اور موقع ملے گا۔ چنانچہ وہ دربار جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کے احباب نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح ان کا کہنا نہیں مانتے تو انہیں قسمیں دینے لگے کہ کم از کم آج تو آپ نہ جائیں۔ کوئی نہ کوئی عذر کہلا بھیجیں۔ محمود گاواں نے اپنے احباب کا یہ حال دیکھا تو رقت آمیز لہجے میں یہ شعر پڑھنے لگے ؎

چوں شہید عشق در دنیا و عقبےٰ سرخرو ست ۔ خوش دمے باشد کہ مارا کشتہ زیں سہیلاں کنند

اس کے بعد اپنے دستوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگے ۔

"میرے بال سلطنت بہمنیہ کی خدمت گزاری میں سفید ہوئے ہیں۔ اگر آج وہ خون کے خضاب سے رنگین ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں میں بادشاہ کی اطاعت سے کبھی منہ نہ موڑوں گا۔ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ تو ہر صورت میں پیش آئیگا۔" ان الفاظ کے کہنے کے بعد محمود گاواں گھر سے نکل پڑے اور دربار کی طرف روانہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر چند امیروں نے انہیں گجرات کی طرف فرار ہو جانے کا مشورہ دیا اور ایک ہزار سوار ساتھ کر دینے کا بھی عہد کیا۔ لیکن محمود گاواں نے اس طرح کی فراری کو وفاداری کے خلاف خیال کیا۔ اور تن بہ تقدیر دربار میں حاضر ہو گئے۔ سلطان کی نظر جب ان پر پڑی تو آگ بگولہ ہو گیا۔ لیکن بڑی مشکل سے غصّے کو ضبط کر کے یہ الفاظ کہے۔ "محمود گاواں اگر کوئی شخص اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کرے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو بتلاؤ کہ ایسی صورت میں اس کو کیا سزا دینا مناسب ہوگا۔" محمود گاواں بے گناہ تھے ان کو اس سازش کا جو ان کے خلاف کیگئی تھی کچھ علم نہ تھا۔ انہوں نے دلیری سے جواب دیا۔ "خداوند نعمت ایسے نمک حرام کی سزا موت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔" سلطان نے یہ سُن کر وہ جعلی خط جس کو سازشیوں نے پیش کیا تھا محمود گاواں کے سامنے رکھدیا۔ انہوں نے اس کو شروع آخیر تک پڑھا اور پھر سر اُٹھا کر اطمینانِ قلب سے یہ آیت پڑھنے لگے۔ "سبحانک ھذا بھتان عظیم۔" اور کہا مہر تو بیشک میری ہے۔ لیکن خط میرا نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان اس وقت شراب کے نشہ میں مست تھا۔ ان باتوں کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے

فی الفور جوہر غلام کو جو سفاکی اور بیدردی میں شہرۂ آفاق تھا اشارہ
کیا کہ خواجہ جہاں کا کام تمام کردے۔ اس کے بعد آپ محلسرا میں چلا
گیا۔ محمود گاواں کو اب معلوم ہوا کہ آج اُن کی زندگی کا پیمانہ لبریز
ہو گیا ہے۔ وہ ایک بہادر اور خدا پہ بھروسہ کرنے والے آدمی
تھے۔ سلطان کے محلسرا میں داخل ہونے کے بعد **لا الہ الا اللہ**
محمد الرسول اللہ کہتے ہوئے قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اور
جوہر غلام نے ایک ہی وار میں ان کا کام تمام کر دیا۔ مشہور ہے کہ
روح کے پرواز کرنے سے پیشتر ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

الحمد للہ علی نعمۃ الشہادۃ۔

یہ افسوسناک واقعہ جس کو بیان کرنے سے قلم کا سینہ چاک ہوتا
ہے راجمندری میں بتاریخ ۵ صفر ۸۸۶ھ مطابق ۴ اپریل ۱۴۸۱ء ہما
پیش آیا۔ اس وقت محمود گاواں کی عمر ۷۶ سال کی تھی۔ انہوں نے
چند سال پیشتر محمد شاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اس کے
دو شعر حسب ذیل ہیں۔

شد ہیکل ضرب تیغت بر دوش جہاں حائل ہیکل ز حرز سیفی وانگہ ہراس آدل
تیغ تو آب حیواں مردم ز حسرت آں آرے بعہد من شد آب حیات قاتل

ان اشعار کے لکھتے وقت انہیں کیا خبر ہوگی کہ ان ممدوح کی تیغ ایک
دن ان کے گلے پر چلنے والی ہے!!!

ملہ تاریخ فرشتہ۔ تحفۃ السلاطین۔ تاریخ محمود شاہی۔

ملا عبدالکریم ہمدانی[1] نے اس شہادت کے واقعہ کی تاریخ اس طرح نکالی ہے۔

شہید بے گناہ مخدوم مطلق — کہ عالم راز جودش بود رونق
وگر خواہی تو تاریخ وفاتش — فرو خواں قصۂ قتل بناحق
۸۸۶ھ

سال فوتش گر کسے پرسد بگوئی — بیگنہ محمود گاواں شد شہید
۸۸۶ھ

سامعی نے اس شہادت کی تاریخ اس قطعہ میں لکھی ہے۔

چوں خواجہ جہاں راہرگز حرام خواری — در دل نبود و بیکر دپیوستہ جانسپاری
گشت او شہید مغفور اے سامعی بہ تحقیق — تاریخ کشتن او جواز حلال خواری
۸۸۶ھ

محمود گاواں کی شہادت کے بعد سلطنت بہمنیہ کی جو گت بنی اس کا ذکر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی تاریخ میں ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمود گاواں ہی کا وجود تھا جس نے سلطنت کی شان وشکوہ اور رعب و داب کو برقرار رکھا تھا۔ جب یہ باقی نہ رہا تو سلطنت

---

[1] عبدالکریم ہمدانی خواجہ جہان محمود گاواں کا شاگرد رشید اور مرید مخلص تھا۔ تاریخ فرشتہ اور دیگر تواریخ سے ظاہر ہے کہ اس نے خواجہ جہاں محمود گاواں کی سوانح عمری لکھی تھی قدیم مورخین نے اسی سے خواجہ کے حالات اخذ کئے ہیں۔ لیکن اب اس کتاب کا پتہ کہیں نہیں ہے۔ اور ملا عبدالکریم ہمدانی کے تفصیلی حالات بھی کسی تاریخ میں نہ مل سکے ۱۲۔

کی جڑیں بھی بہت جلد کھوکھلی ہوگئیں۔ اور وہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو کر اپنی ساری طاقت کھو بیٹھی۔ سلطان کو محمود گاوان کے خون کی قیمت اپنی سلطنت سے ادا کرنی پڑی۔

محمود گاوان کی شہادت کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اُن کی ساری جائداد ضبط کر لی جائے۔ ہاتھی گھوڑے اور اسباب خاصہ تو سلطان کے ہاتھ لگا اور باقی اشیاء عوام نے لوٹ لیں جس کے ہاتھ جو چیز لگی لے کر چلتا بنا۔

مشہور ہے کہ سلطان کو اپنی جلد بازی پر بعد میں سخت ندامت ہوئی[1] لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ تاہم اس نے ان کے جنازے کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بیدر روانہ کرنے کا انتظام کیا۔[2]

محمود گاوان کا مدفن گورنلی میں جو بیدر کے مضافات میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے واقع ہے۔ اور آج تک زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

سلطان کو محمود گاوان کی ہر دلعزیزی کا اچھی طرح علم تھا۔ چنانچہ اس نے ان کی شہادت کے بعد ایک طویل فرمان شائع کیا اور اس میں اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے نہایت تفصیل سے ان وجوہات کو بیان کیا جو اُن کے قتل کے باعث ہوئے۔ سلطان کے اس فرمان کا ملک پر کیا اثر پڑا اس کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس بات سے

ص[1] ۔ تاریخ فرشتہ۔ ماثر برہانی۔ تاریخ دکن۔ محمود شاہی۔ ص[2] فرشتہ۔ محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین۔ تحفۃ السلاطین۔ تاریخ محمود شاہی وغیرہ۔

محمود گاواں کی غیر معمولی ہردلعزیزی اور اقتدار کا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔

محمود گاواں اگرچہ زندہ نہیں رہے اور اُن کا جسدِ خاکی خاک میں مل کر خاک ہوگیا لیکن ان کی شہرت اور نیکنامی کی یاد دلوں سے کبھی محو نہ ہوگی۔ اور ان کے کارنامے تاریخ دکن میں ہمیشہ زرین حروف میں لکھے جائیں گے۔

محمود گاواں کی خانگی زندگی

تواریخ[1] سے ثابت ہے کہ محمود گاواں ایک صوفی مشرب آدمی تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ سادگی پسند تھے۔ غرور و تکبر ان میں نام کو نہیں تھا۔ رفاہ عام کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ جمعہ کی رات کو وہ عموماً بھیس بدل کر شہر کی گلی کوچوں میں گشت لگایا کرتے۔ اور محتاجوں اور مفلسوں کو پوشیدہ طور پر اشرفیاں دیکر قیام سلطنت بہمنیہ کی دعا کے طلبگار ہوتے تھے۔ انہوں نے زمانہ وزارت میں بھی تجارت کو ترک نہیں کیا۔ اُن کے خانگی اخراجات تقریباً تجارت کی آمدنی ہی سے

---

[1]۔ فرشتہ۔ تاریخ محمود شاہی تحفتہ السلاطین ۔ ریاض الانشاء اور مناظر الانشاء۔

پورے ہوتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ اپنے فرصت کے اوقات کو مدرسے میں گزارتے۔ جہاں انہیں بڑے بڑے فاضلوں کی صحبت میسر آسکتی تھی۔ ان کے خوانِ کرم سے تقریباً دنیائے اسلام کے سارے علماء و فضلاء بہرہ یاب ہوتے تھے۔ اُن کی سخاوت اور فیاضی کی داستانیں آج تک زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

محمود گاواں کے تین بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام علی تھا۔ اس کے متعلق صرف اتنے حالات معلوم ہوتے ہیں کہ یہ محمود گاواں کا سب سے لائق بیٹا تھا۔ اس کو سلطنت بہمنیہ سے ملک التجار کا خطاب بھی ملا تھا۔ بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علی کو ایک دفعہ بیجانگر کے راجہ کے مقابلے میں بھی بھیجا گیا تھا۔ دوسرے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ یہ شاہ گیلان کے ہاں ملازم ہوگیا تھا۔ لیکن محمود گاواں اس سے خوش نہیں تھے۔ کیونکہ وہ کسی قدر عیاش تھا۔ ریاض الانشاء میں چند خطوط ایسے ملتے ہیں جو سلطان علاء الدین والئی گیلان اور دوسرے امرائے گیلان کے نام محمود گاواں نے اس غرض سے تحریر کئے ہیں کہ اُن کے بیٹے کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ تیسرا بیٹا افغان ہے۔ یہ محمود گاواں کا بہت چہیتا بیٹا تھا۔ محمود گاواں کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو افغان کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال تھا۔

سلہ۔ ریاض الانشاء۔ مناظر الانشاء۔ سیرۃ المحمود۔

محمود گاواں کے ایک بھائی بھی تھے۔ ان کا نام شمس الدین تھا۔ اور یہ محمود گاواں سے عمر میں بڑے تھے۔ محمود گاواں کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہ ان کا بہت ادب کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے تفصیلی حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ محمود گاواں کو اپنے بھتیجوں سے بھی بڑی محبت تھی۔ ریاض الانشار میں بعض خطوط ان کے نام بھی موجود ہیں۔

محمود گاواں کو فن باغبانی سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس فن میں بھی انکی جدت پسند طبیعت نے کارنمایاں کئے ہیں۔ ان کے عہد کا یہ واقعہ بہت حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے بیدر میں زعفران کی کاشت کی تھی۔ غالباً بیدر کی سرزمین اسکی کاشت کے لئے موزوں ہے۔ ہمارا محکمۂ زراعت اگر اس طرف توجہ کرے تو ممکن ہے قابل تعریف نتائج برآمد ہوں۔

محمود گاواں کی زندگی کا ایک واقعہ بہت دلچسپ اور قابل تذکرہ ہے۔ ایک مرتبہ سلطان حسین میرزا والئ ہرات نے محمود گاواں کے پاس اپنے مشیر مولانا سید کاظم کو روانہ کیا۔ اور یہ پیغام بھیجا کہ آپ وطن سے دور کیوں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میرے ملک میں آسکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنا وزیر بنانے پر آمادہ ہوں۔ علاوہ ازیں آپ کے وطن مالوف کی سرزمین بھی آپ کو جاگیر میں عطا کروں گا۔ محمود گاواں نے اس بات سے سلطان محمد شاہ کو آگاہ کیا۔ سلطان کو

ا۔ تاریخ فرشتہ۔ ماثر محمود گاوانی۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن۔

بڑی تشویش ہوئی کہ کہیں محمود گاواں اس کو چھوڑ کر نہ چل دیں۔ اس لئے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تم چلے جاؤ گے تو سلطنت کا کام ایک لمحے کے لیے بھی انجام نہ پاسکیگا۔ خدا کے لئے اس خیال کو دور کر دو۔ اور اس ملک کو اپنا ہی ملک سمجھو۔ محمود گاواں کے دل پر بادشاہ کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے سید کاظم کو بہت سے تحائف دیکر بے نیلِ مرام واپس کر دیا۔

محمود گاواں کی زندگی پر تبصرہ

تعلیم و تربیت کے متعلق جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ قابل تعریف اور قابل قدر طریقۂ تعلیم و تربیت وہ ہے جس سے انسان کی تمام پوشیدہ استعدادوں میں ترقی اور جلا ہو سکے۔ اگر کسی خاص طریقے سے صرف دماغی قوتیں ترقی کر سکیں اور اس کا اثر انسان کی اخلاقی اور جسمانی قوتوں پر کچھ نہ پڑے، تو یہ طریقہ ناقص اور بیہودہ ہے۔ اس نظریے کو صحیح تسلیم کرنے والے کہتے ہیں کہ کیا تم کسی ایسے شخص کو تندرست آدمی کہو گے، جس کے ہاتھ تو بے انتہا مضبوط اور طاقتور ہوں، لیکن جس کے پاؤں نہایت کمزور اور بدنما ہوں۔ کیا ایسا شخص تندرست کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے، جس کی بصارت تو بہت تیز ہو لیکن جس کی سماعت بہت کمزور ہو۔ بس یہی نقطۂ نظر

ہے وہ شخص اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔ جو دماغی قابلیتوں کے اعتبار سے تو یگانۂ روزگار ہو لیکن جس کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہو۔ اس نظرے کا موجودہ تعلیم و تربیت کے طریقوں پر بہت گہرا اثر پڑھ رہا ہے۔ اور شروع ہی سے کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں کی دماغی، جسمانی، اخلاقی اور روحانی تربیت ایک ساتھ ہو تاکہ جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں تو وہ مضبوط، عقلمند، نیک اور پاکیزہ سیرت رکھنے والے انسان ثابت ہوں۔

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم محمود گاواں کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔ کیوں کہ محمود گاواں کی شخصیت میں ہمیں انسان کی ساری پوشیدہ استعدادوں کا کامل نشو نما نظر آتا ہے۔ ہم نے محمود گاواں کو ایک اولوالعزم تاجر[1] کی حیثیت میں بھی دیکھا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی تھے۔ ہم نے انہیں سلطنت بہمنیہ کے سپہ سالار کی حیثیت میں بھی دیکھا ہے۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلیر اور جفاکش آدمی تھے۔ انہوں نے نوک شمشیر سے کئی فتوحات حاصل کیں اور میدان جنگ کی ساری صعوبتوں کا مردانہ وار مقابلہ

[1] خواجہ جہاں محمود گاواں ممتاز عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود پیشہ تجارت کو نہیں چھوڑا۔ پیشہ تجارت کو اپنی کسب معاش کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ اور آخر عمر تک آپ نے تجارت ترک نہیں فرمائی۔ تجارت کی آمدنی ہی سے اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔

کیا۔ وہ ہمارے سامنے ایک بلند پایہ مدبر کی حیثیت میں بھی جلوہ گر ہوئے
ہیں۔ تاریخ کے صفحات اُن کے اعلیٰ تدبر اور انتظامی قابلیتوں کے
تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہی سلطنت بہمنیہ کو
عظیم خطرات سے نجات دلائی ہے۔ وہی ہیں جو اس کی خوش انتظامی
اور نظم و نسق کی عمدگی کے اصلی باعث تھے۔

باتجربہ سالار اور مدبر کی حیثیتوں کے علاوہ محمود گاواں ہمیں
ایک شاعر اور مصنّف کی حیثیت میں بھی نظر آتے ہیں۔ اس خصوص
میں بھی اُن کے اعلیٰ خدمات قابل تعریف ہیں۔ اُن کے علم و فضل
کی تعریف میں اُن کے زمانے کے بڑے بڑے شعرا نے اشعار کہے
ہیں۔ چنانچہ ملا جامی کا ایک شعر اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

یہ تو سب کچھ ہوا لیکن دیکھنا چاہیے کہ محمود گاواں کا روحانیت
اور اخلاق میں کیا درجہ ہے۔ اس خصوص میں زیادہ خامہ فرسائی کی
ضرورت نہیں۔ صرف اُن کی شہادت کا واقعہ ہی ایسا ہے کہ اگر
اس پر غور سے نظر ڈالی جائے تو محمود گاواں کی روحانی اور اخلاقی
عظمت کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ ان کی قوت اور طاقت کا اندازہ
مضمون ہذا کے پڑھنے والوں کو اچھی طرح ہو گیا ہوگا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا
ہے کہ اگر وہ چاہتے تو سلطنت بہمنیہ کی بنیادیں نہ ہلا سکتے تھے۔
سلطنت بہمنیہ مخالف سلطنتوں سے گھری ہوئی تھی۔ اگر وہ خفیہ طور پر
سازش کرتے تو اُن کے لئے کم از کم کسی صوبے کو دبا لینا بہت آسان

تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کی شہادت کے بعد اکثر ایسے امیر ونقا نے جو اُن سے ہر اعتبار سے کم درجہ تھے سلطنت بہمنیہ کے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ اور خود مختار حکمران بن بیٹھے۔ لیکن محمود گاواں کی ذات ایسی غداریوں اور ناپاک سازشوں سے بہت ارفع تھی۔ وہ دنیوی زندگی کو جو آنی اور فانی ہے کچھ زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ وہ اُخروی زندگی کے طلبگار تھے۔ جو لافانی اور ابدی ہے۔

ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ محمود گاواں کی زندگی ہر اعتبار سے قابل رشک اور لایق تقلید ہے۔ ان کے حالات ہمیشہ ہمیشہ نوع انسانی کے لئے شمع ہدایت کا کام دینگے۔ ان کی شہرت اور ناموری ایسی پاک اور مقدس ہے کہ اس پر فرشتوں کو بھی رشک کرنا چاہیئے۔

تمت